# فہرست مضامین

ان صفحات پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان، مرتبہ اور مقام بیان کیا جارہا ہے، جس کی گواہی عرش بریں کے سب سے آخری پیغام قرآن کریم نے دی اور ساڑھے چودہ سو سال سے امت ان شہ پاروں سے مستفید ہورہی ہے، اور ان شاء اللہ رہتی دنیا تک اس فیضان سے فائدہ اٹھاتی رہے گی۔
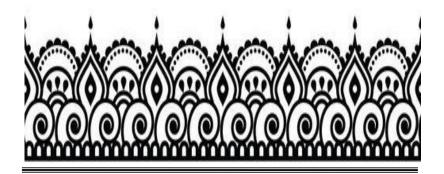
اَلحَمدُ للهِ أَفضَلُ الحَمدِ وَأَكمَلُهُ وَأَشمَلُهُ، حَمدًا يُوَافِي نِعَمَهُ وَيُكَافِئُ مَزِيدُهُ، وَالشُّكرُ لِمَولَى الحَمدِ وَمُستَحِقِهِ عَلَى مَا مَنَّ بِهِ مِنَ التَّوفِيق وَالهِدَايَةِ إِلَى سَوَاءِ الطَّرِيق، وَأَنعَمَ بِهِ مِنَ العِرفَان وَالتَّحقِيق، وَالاِتِّبَاعِ وَالتَّصدِيق، لِنَبِيِّهِ مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِي فَضَّلَهُ عَلَى جَمِيعِ الخَلَائِق، وَبَعَثَهُ بِخَيرِ الأَديَان وَالطَّرَائِق، وَجَعَلَ أَصحَابَهُ خَيرَ أُمَّةٍ أُخرِجَت لِلنَّاسِ، وَاختَارَهم لِنَبِيِّهِ وَحَبِيبِہِ وَجَعَلَهم نُجُومَ الهدیٰ وَالاِهتِدیٰ، وَجَعَلَهم مَفَاتِيحَ الرَّحمَہ وَمَصَابِيحَ الغُرَر،

بندہ عاجز و فقیر نے اس سے پہلے بھی "شان صحابہ کرامؓ" کے عنوان پر قرآن کریم اور ارشاداتِ نبی کریم ﷺ کی روشنی میں ایک رسالہ پیش کیا ہے، جو ملک بھر میں احباب کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے اور وہ اس فقیرانہ کاوش پر کلماتِ تشکر و تحسین بھی ادا فرما چکے ہیں۔

اس رسالہ کے اختتام پر راقم الحروف نے لکھا تھا کہ قرآن کریم کی نورانی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کے مبارک ارشادات کا سلسلہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ابھی ختتام پذیر نہیں ہوا، ہمارے صفحات ختم ہو گئے ہیں، ہم ان محدود صفحات پر جو کچھ پیش کرنا چاہتے تھے تاحال وہ پیش نہیں کیا جاسکا۔

(ماہنامہ صدائے جمعیت لاہور جولائی ۲۰۱۹ء)۔

بندہ کی زیر ادارت ہر ماہ چار میگزین باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتے ہیں، ان میں سے ماہ نامہ "آب حیات" اور ماہ نامہ "صدائے جمعیت" کے شمارہ جولائی ۲۰۱۹ء میں حضرات صحابہ کرامؓ کی شان ومنقبت پر مشتمل تحریر پیش کی گئی تھی، صفحات ختم ہو گئے تھے، اس لیے مضمون ادھورا ہی رہ گیا تھا، اس لیے اس ماہ خیال ہوا کہ اس مضمون کو مزید بیان کروں تاکہ میرے ایمانی جذبات کو تسکین ملے، کیونکہ تذکرہ صحابہ کرامؓ ایمان کا حصہ ہے اور ایمانی جذبات کا معاملہ ہے۔

چودہ سو سالہ تاریخ اسلامی میں اگر کسی طبقہ کو سب سے زیادہ مجروح کرنے، ان کے مقام کو کم کرنے، ان کی عظمت کو سرنگوں کرنے کی جسارت اور ناپاک کوشش کی گئی تو وہ یہی پاکیزہ طبقہ صحابہ کرامؓ تھا، ان کی شرعی عظمتوں کو جان بوجھ کر پائمال کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی، اور دفاعی لائن پر کام کرنے والے ہمارے اکابرین نے حضرات صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمتوں کے گرد حفاظتی حصار قائم کیے۔

قرآن کریم جب نازل ہو رہا تھا تو صحابہ کرامؓ کے خلاف لب کشائی کرنے والوں، ان کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں، ان کے مقام کو کم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کی زبان میں جواب دیا، یہ صرف جواب ہی نہیں تھا بلکہ دندان شکن جواب تھا، جس پر قرآنی صفحات وآیات آج بھی گواہ ہیں اور تاقیامِ قیامت گواہ رہیں گی۔

قرآنی آیات پڑھتے جایئے، ایمان کو جلابخشتے جایئے، جگہ جگہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن کریم ایمان وایقان کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جاتا ہے، دفاعی لائن پر کام کرنے والے ہمارے بزرگوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزت، ناموس، حرمت، عظمت اور منقبت پر مبنی آیات کو یکجا کیا، ضخیم

کتابیں مرتب کیں، آیات کی تفسیر بیان کی، وہ صرف اپنے اکابرین کے ارشادات کی روشنی میں ہی نہیں بلکہ مخالفین کے اکابرین کی تحریروں سے بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان و مقام کو اجاگر کرتے رہے۔

"شان صحابہ کرامؓ" نامی رسالہ میں اس عاجز و مسکین بندے نے بھی قرآنی آیات سے اپنی کم مائیگی کے باوجود دس آیات قرآنیہ ایسی پیش کی تھیں جن میں صحابہ کرامؓ کی شان و عظمت بیان کی تھی، ان میں مہاجرین صحابہؓ کے مناقب تھے اور انصار صحابہ کرامؓ کے مناقب تھے، پھر رحمت کائنات، مفخر موجودات ﷺ کے مبارک ارشادات کی روشنی میں بھی ان جنتی لوگوں کی شان و مقام بیان کیا تھا۔

جن احباب و مخلصین نے "شان صحابہ کرامؓ" کا پیش لفظ پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ "شان صحابہ کرامؓ" ایک خاص تناظر میں تحریر کی گئی تھی، جب وطن عزیز پاکستان کے وزیراعظم جناب عمران خان صاحب نے حضرات صحابہ کرامؓ پر لب کشائی کی تھی، ان کو ڈرپوک تک کہہ دیا تھا، میدان کارزار میں جن صحابہ کرامؓ نے مالِ غنیمت کی طرف پیش قدمی کی تھی ان کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرتے ہوئے قادیانیوں کی بے ہودہ زبان بولتے ہوئے ان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو گئے تھے۔

وزارتِ عظمیٰ جو پاکستان کا بڑا منصب ہے، اس پر براجمان ایک شخص جو اپنے کو پڑھا لکھا اور دانا سمجھتا ہے اس کی زبان سے اس طرح کی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کسی مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں تھی، سوشل میڈیا، الیکٹرونک میڈیا، اخبارات، رسائل اور جرائد میں عاشقان صحابہ کرامؓ نے ان کے لتے لیے، اسمبلی اور سینٹ میں اہل ایمان نے ان کی خبر لی، بندہ ناچیز نے بھی سب سے پہلے "شان صحابہ کرامؓ" لکھ کر اپنے ایمان کو جلا بخشی اور اپنے دل و دماغ کو تسکین کا سامان فراہم کیا۔

اب اگلے قدم کے طور پر میں حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں مزید قرآنی آیات اور مزید نبوی ارشادات کے ساتھ بندہ پھر سے حاضر ہے، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ ہر ماہ بندہ کی زیر ادارت چار میگزین شائع ہوتے ہیں اور ملک بھر میں شائع ہو کر پہنچ جاتے ہیں، اس لیے ملک بھر میں رہنے والے میرے قارئین تک مزید مواد جانا چاہیے، علماء اور مشائخ کی خدمت میں یہ مواد جانا چاہیے تاکہ وہ عامۃ الناس تک اسے پہنچائیں اور ڈھیر سارا اجر پائیں، اسی جذبہ صادقہ کے تحت یہ دوسرا تحفہ "فضائل صحابہ کرامؓ" کے عنوان سے معنون ہو کر آپ کے مطالعہ کی میز پر موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس فقیرانہ، متواضع اور عاجزانہ پیشکش کو قبول و منظور فرما کر نجات کا ذریعہ بنادے، آمین بحرمۃ النبی الکریم

خادم اسلام

**مَحمُودُالرَّشِید عَبَاسِی حَدَوٹِی**

حال وارد حدوٹ، مری

۱۳ جولائی ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ، پونے سات بجے شام

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے ہر ذی شعور آدمی کو اس بات کا اندازہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالفین اور دشمنوں کے مقابلے میں جن لوگوں نے ان پاکیزہ ہستیوں کا بے سروسامانی کے عالم میں ساتھ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی کس قدر قدر دانی فرمائی ہے، جگہ جگہ قرآن کریم میں بڑے عمدہ پیرائے میں ان جانباز سپاہیوں کے احوال موجود ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا ساتھ دینے والوں کو انبیاء علیہم السلام کے اصحاب کہا گیا، ان کے دوست، ساتھی اور حواری کہا گیا، انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمن نامراد اور خائب ہوئے جب کہ ان کے ساتھی اور صحابہ کامیاب و کامران ہوئے۔

**سیدنا نوح علیہ السلام کے اصحاب**: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے اصحاب کو اس وقت کامیابی کا پروانہ عطا فرمایا جب ان کے مخالفین ومعاندین کو تباہی و بربادی کا پیغام سناتے ہوئے غرقاب کر ڈالا، ارشاد ہے

فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ

تو ہم نے نجات دے دی اس کو بھی اور ان کو بھی جو اس کے ساتھ تھے ایک بھری کشتی میں۔ پھر ہم نے اس کے بعد باقی سب کو غرق کر دیا۔[الشعراء: ۱۱۹]

نوح علیہ السلام اس دھرتی پر اللہ کے پہلے رسول تھے، جب شرک وبت پرستی عام ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے ساڑھے نو سو سال لوگوں کو سمجھایا، اس طویل عرصہ میں آپ علیہ السلام پر ایمان لانے والے خوش نصیبوں کی بہت ہی کم تعداد تھی، انہی کو اصحاب نوح کہا گیا، انہی کو یہاں آپ کے ساتھی کہا گیا، ان کو نجات ملی، کشتی میں سوار ہوئے، جب کہ منکرین اور مخالفین میں سے سب غرقاب ہوگئے، یہاں تک کہ آپ کی بیوی اور آپ کا بیٹا کنعان بھی غرقاب ہوگئے، نجات انہیں ملی جو آپ کے اصحاب تھے اور ایمان دار تھے۔

سورۃ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی وہ دعا موجود ہے جو آپ علیہ السلام نے اپنے اہل ایمان پیروکاروں کے لیے فرمائی تھی،

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾نوح

میرے پروردگار! میری بھی بخشش فرمادیجیے، میرے والدین کی بھی، ہر اس شخص کی بھی جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہوا ہے اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی بھی اور جو لوگ ظالم ہیں ان کو تباہی کے سوا کوئی اور چیز عطا نہ فرمایئے۔

**سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب**: اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا موسیٰ کے اصحاب کے بارے میں فرماتے ہیں

وَأَنْجَيْنَا مُوسَى وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿۲۶﴾الشعرا

ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اور دوسروں کو غرقاب کردیا۔

ساتھیوں سے مراد وہی اصحاب موسیٰ علیہ السلام تھے، جو ان پر ایمان لائے اور ان کی باتوں پر یقین رکھتے تھے، اللہ نے انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا، دریا پار کر گئے جب

کہ فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت غرقاب ہو گیا تھا۔

**سیدنا ہود علیہ السلام کے اصحاب:** اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کے اصحاب کے بارے میں قرآن کریم میں بتایا کہ

وَلَمَّا جاءَ أَمْرُنا نَجَّيْنا هُوداً وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْناهُمْ مِنْ عَذابٍ غَلِيظٍ [هُودٍ: ٥٨]

جب ہمارے عذاب کا وقت آپہنچا تو ہم نے ہود اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور سخت عذاب سے ان کو بچالیا۔

**سیدنا صالح علیہ السلام کے اصحاب:** اللہ تعالیٰ نے اصحاب صالح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾هود

جب ہمارا حکم یعنی عذاب آپہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے اپنی مہربانی سے نجات دی اور اس دن کی رسوائی سے وہ لوگ بچ گئے، بے شک آپ کا پروردگار قوی غالب ہے۔

**سیدنا شعیب علیہ السلام کے اصحاب:** قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے اصحاب سے متعلق ارشاد فرمایا

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩٤﴾هود

اور (آخر کار) جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور ان کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، ان کو اپنی خاص رحمت سے بچالیا، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک چنگھاڑ نے آپکڑا، اور وہ اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ گرے رہ گئے۔

**سیدنا لوط علیہ السلام کے اصحاب:** اللہ تعالیٰ نے سیدنا لوط علیہ السلام کے اصحاب کے بارے میں فرمایا

فَأَخْرَجْنا مَنْ كانَ فِيها مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَما وَجَدْنا فِيها غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ [الذَّارِيَاتِ: ۳۵، ۳۶]

پھر ہوا یہ کہ اس بستی میں جو کوئی مومن تھا اس کو ہم نے وہاں سے نکال لیا۔ اور اس میں ایک گھر کے سوا ہم نے کسی اور گھر کو مومن نہیں پایا۔

تفسیر در منثور میں نقل کی گئی ایک روایت کے مطابق اللہ کی گرفت سے بچنے والے حضرت لوط علیہ السلام تھے اور ان کی دو بیٹیاں تھیں، جبکہ لوط علیہ السلام کی بیوی تباہ و برباد ہوگئی، وہ لوط علیہ السلام پر ایمان نہیں لائی تھی، وہ کافروں کے ساتھ ساز باز کرتی تھی، ان کو خبریں پہنچاتی تھی اور مخبریاں کرتی تھی، سعید بن جبیر کی روایت کے مطابق لوط علیہ السلام کے پیروکار تیرہ لوگ تھے، ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا، یہ لوگ بچ گئے اور کامیاب ہوگئے، باقی سب لوگ پتھروں کی بارش کی نذر ہوگئے۔

**سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب:** اللہ تعالیٰ نے اصحاب عیسیٰ کا ذکر یوں فرمایا

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَآمَنَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿۱۴﴾ الصف

اے ایمان والو! تم اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ، اسی طرح جیسے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے کہا تھا کہ : وہ کون ہیں جو اللہ کے واسطے میرے مددگار بنیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں۔ پھر بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا، اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا، چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے ہم نے ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غالب آئے۔

حواری، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان ساتھیوں کو کہتے ہیں جو آپ پر ایمان لائے تھے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثاروں، رضاکاروں، فداکاروں کو اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔

## اصحاب انبیاء علیہم السلام کی اہمیت

قرآن کریم کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اس طرح کی بے شمار آیات مزید مل سکتی ہیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام کے پیروکاروں کا تذکرہ بڑے احسن انداز میں کیا گیا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب ہی وہ قابل رشک اور قابل فخر لوگ تھے جنھوں نے اپنی برادری، اپنے خاندان، اپنے رشتہ داروں سے ہٹ کٹ کر اللہ کے فرستادہ نبیوں کے ہاتھ مضبوط کیے، ان پر ایمان لائے، ان کے دست و بازو بن کر اللہ کے دین کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب مخلصین تھے، جو اپنی منفعت وزیاں سے بالا ہو کر ان انبیاء علیہم السلام کے یمین ویسار بنے، جنھوں نے وقتی فوائد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اخروی منافع سمیٹ لیے، یہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی باقی امت کے مقابلے میں اعلیٰ درجے پر فائز تھے، جن کی اخلاقی تربیت انبیاء کرام علیہم السلام نے آسمانی تعلیمات کی روشنی میں کی تھی، یہ تربیت یافتہ لوگ تھے، جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ہمراہ میدان دعوت و تبلیغ میں سرگرم عمل و سرگرم سخن رہے اور اللہ کی مدد اور نصرت کے حق دار بنے، انہوں نے دونوں جہان کی سعادتیں سمیٹیں۔

اگر کوئی عقل و خرد رکھتا ہے تو وہ چند لمحوں کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ان پیروکاروں، ان جانثاروں، ان وفاداروں اور ان ایمان داروں کے تذکروں پر نظر کرے، کہ آخر ان لوگوں میں کیا کوالٹی اور کیا خصوصیت تھی کہ اللہ نے ان

کے یوں فخریہ انداز میں تذکرے کیے، نبیوں کے ساتھ ان کو کامیاب قرار دیا، انہیں نجات دے دی، ان کا تذکرہ قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب میں کیا، ان کو اللہ نے اپنی گرفت سے بچایا اور دوسروں کو نشان عبرت بناڈالا۔

یہ باتیں دانالوگوں کے سوچنے کی ہیں، اسی پر ہو سکتا ہے کہ اللہ ہدایت کے فیصلے فرمادے، اگر باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب کے یوں تابناک تذکرے ہیں تو پھر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو ان انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب سے کہیں اونچی اور بلند ہے، جن کے تذکرے تورات، زبور اور انجیل میں موجود ہیں، جن کی کامیاب وکامران زندگیوں کے تذکروں کے ساتھ قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔

جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کرتے ہیں، ان کا شرعی مقام کم کرتے یا بتاتے ہیں انہیں اپنی عاقبت برباد نہیں کرنا چاہیے، ان سابقہ انبیاء علیہم السلام کے اصحاب کے تذکروں پر غور و فکر کرتے ہوئے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے ترانے گانے چاہییں، ان کی مدح سرائی سے انہیں رطب اللسان ہونا چاہیے۔ یہ سعادت مندی ہے، یہ خوش نصیبی ہے۔

رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کے بارے میں کسی بھی قسم کی گستاخی اور بے ادبی سے روک دیا ہے، ان کے سات محبت رکھنے کو اپنے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ بغض رکھنے کو اپنے ساتھ بغض سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی صحابہ کرام سے جو شخص محبت رکھے گا وہ اس لیے محبت رکھے گا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ان سے محبت رکھے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا۔ اس لیے ہمیں ان باتوں کو سوچنا ہوگا، صحابہ کرامؓ کے بارے مثبت سوچ ہی ہماری کامیابی اور ہمارے ایمان کی دلیل ہے۔

صحابی عربی زبان میں صحبت سے مشتق ہے، صحبت کا معنٰی ہے ہم نشینی، چاہے یہ ہم نشینی تھوڑی دیر کے لیے ہو یا زیادہ دیر کے لیے۔

عربی محاورے میں بھی یوں کہا اور بولا جاتا ہے کہ میں ایک سال، ایک ماہ، ایک گھڑی کسی فلاں شخص کی صحبت اور ہم نشینی میں رہا ہوں، اس معنٰی کے لحاظ سے جس شخص نے دن کی ایک گھڑی بھی نبی کریم ﷺ کی صحبت و ہم نشینی میں گزاری وہ صحابی کہلائے گا۔

امام سخاوی فرماتے ہیں کہ لغوی معنٰی کی رُو سے صحابی ہر وہ شخص کہلائے گا جس پر صحبت کا اطلاق ہوتا ہے، چاہے اس کی صحبت زیادہ ہو یا تھوڑی (فتح المغیث)

علامہ ابو الحسین لکھتے ہیں کہ صحابی وہ شخص کہلاتا ہے جس نے آپ ﷺ کی طویل صحبت و ہم نشینی اختیار کی ہو، جس میں اس نے آپ ﷺ سے کچھ حاصل کیا ہو، آپ ﷺ کی پیروی کی ہو، مگر جس شخص نے آپ ﷺ کی اتباع کا ارادہ نہ کیا ہو، پیروی نہ کی ہو، جس طرح وفود آپ ﷺ کی خدمت میں آتے تھے تو وہ اس معنٰی میں داخل نہیں۔ (المعتمد، الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

سید التابعین حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ

اَلصَّحَابِي مَن أَقَامَ مَعَ رَسُول اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ سَنَةً أَو سَنَتَين، وَغَزَا مَعَهُ غَزوَةً أَو غَزوَتَين «الكفاية ٦٩، وعلوم الحديث ٢٩٣»

صحابی وہ شخص ہے جو نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں سال دوسال رہا ہو، آپ ﷺ کے ہمراہ ایک غزوہ یا دو غزوات میں شرکت کی ہو۔

علامہ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں کہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی صحبت اور ہم نشینی بڑا اعزاز اور شرف ہے، یہ ایک لمبے عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، طویل سفر کے باعث انسانی مزاج معلوم ہو جاتا ہے، سال میں چونکہ چار موسم ہوتے ہیں، ان میں انسانی مزاج مختلف ہوتے ہیں۔

علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ میں نے اہل علم کو یہ کہتے دیکھا کہ

كُلُّ مَن رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَقَد أَدرَكَ الحِلمَ فَأَسلَمَ وَعَقَلَ أَمرَ الدّين وَرَضِيَهُ فَهوَ عِندَنَا مِمَّن صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَلَو سَاعَةً مِّن نَهَار «فتح المغيث ٤/ ٣٢ والكفاية ٥»

ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور اس نے آپ ﷺ کے حلم کا ادراک کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا اور دینی امور کو سمجھ لیا اور اس کو پسند بھی کر لیا تو یہ شخص ہمارے نزدیک ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی چاہے وہ دن کی ایک گھڑی ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ نے اپنی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں اس تعریف کو غیر جامع قرار دیا ہے، کیونکہ بعض صحابہ اس تعریف میں نہیں آتے۔

علامہ ابن حجرؒ نے سب سے صحیح تعریف یہ قرار دی ہے:

اَلصَّحَابِيّ أَنَّهُ «مَن لَقِي النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ مُسلِمًا وَمَاتَ

عَلَى إسلَامِه.«الاصابہ فی تمییز الصحابہ»
صحابی وہ شخص ہے جس نے آپﷺ کی حیاتی میں حالت اسلام میں آپﷺ سے ملاقات کی اور اپنے اسلام پر ہی دنیا سے رخصت ہوا۔

ہر وہ شخص جس نے حالت اسلام میں آپﷺ کی زندگی میں آپﷺ کا دیدار کیا وہ اس تعریف میں داخل ہے، اور جس شخص نے آپﷺ کی وفات کے بعد تدفین سے پہلے آپﷺ کی زیارت کی وہ اس تعریف میں شامل نہیں ہے، جس طرح شاعر ابو ذؤیب ھذلی نے آپﷺ کو تدفین سے پہلے دیکھا تھا، مگر وہ صحابی نہیں ہے۔

مسلمان کی قید سے ہر وہ شخص نکل گیا جس نے آپﷺ سے حالت کفر میں ملاقات کی اور آپﷺ کی وفات کے بعد مسلمان ہو گیا، جیسے قیصر بادشاہ کا نمائندہ مسلمان ہو گیا تھا مگر آپﷺ کی صحبت کا شرف اس نے نہیں پایا تھا، اس لیے وہ صحابی کی تعریف میں نہیں آتا۔

اسی طرح اس تعریف میں اسلام پر مرنے کی شرط بھی صحابی کے لیے ضروری ہے، جو شخص آپﷺ کی صحبت سے شرف یاب ہونے کے بعد مسلمان ہوا اور پھر بعد میں کافر ہو گیا اور کافر ہو کر ہی مرا تو ایسا شخص بھی صحابی کی اس تعریف میں نہیں آتا۔ اور جو شخص آپﷺ کے بعد مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہو گیا اور مسلمان ہونے کی حالت میں ہی مرا تو اس بارے میں علامہ حافظ تقی الدین عراقیؒ کہتے ہیں کہ محل نظر ہے، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ دونوں کہتے ہیں کہ ارتداد اس کی سابقہ صحبت کو ختم کر دیتا ہے جیسے قرہ بن میسرہ اور اشعث بن قیس وفات نبوی کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔

جب کہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ صحابیت کا نام اس کے لیے باقی رہتا ہے، جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں کوئی مرتد ہو کر اسلام کی طرف لوٹ آیا ہو جیسے عبداللہ بن ابی سرح ارتداد کے بعد آپ ﷺ کی زندگی میں پھر سے مسلمان ہو گئے تھے۔

## کیا فرشتوں میں کوئی صحابی ہے؟

فرشتے نورانی اجسام ہیں، مختلف شکلیں بنانے اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے پر قدرت رکھتے ہیں، وہ خوبصورت خوبصورت شکلوں میں بھی ظاہر ہو سکتے ہیں، جیسے حضرت جبریل علیہ السلام جب نبی کریم ﷺ سے وحی کے سلسلہ میں ملاقات کرتے تھے تو حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔

فرشتوں کی تعریف میں تذکیر وتانیث کی قید نہیں لگائی جاسکتی اور نہ ہی خنوثت کی قید لگائی جاسکتی ہے، اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں کافروں کی تردید کرتے ہوئے اس بات کی مذمت فرمائی کہ یہ فرشتوں کو مؤنث بتاتے ہیں، فرشتوں کا مسکن آسمان ہے جب کہ ان میں سے بعض فرشتے زمین پر بھی رہتے ہیں۔

فرشتوں کے وجود پر قرآن وسنت اور اجماع کے دلائل موجود ہیں، ان کا انکاری کافر ہے، ان میں سے جس کے احوال اجمالاً معلوم ہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے، جن کے احوال تفصیلاً معلوم ہیں ان پر تفصیلاً ایمان لانا ضروری ہے۔

بڑے اور مشہور فرشتوں میں جبریل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل ہیں، کچھ عرش اٹھانے والے ہیں، کچھ عرش کو گھیرے ہوئے ہیں، کچھ انسانی اعمال لکھنے پر مامور ہیں، کچھ انسانی حفاظت پر مامور ہیں، اللہ تعالٰی نے فرشتوں کے لشکروں کے لشکر پیدا فرمائے ہیں، جو اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے پر مامور ہیں، ابن حجر عسقلانی

فرماتے ہیں کہ ان تمام فرشتوں میں حاملین عرش، عرش کو گھیرنے والے کروبیون نامی فرشتے سب سے افضل ہیں، فرشتوں میں وہ فرشتے بھی ہیں جن کو زبانیہ کہا جاتا ہے، ان کی دوزخ پر ڈیوٹی ہے، یہ مالک نامی داروغہ جہنم کے ساتھ مامور ہیں، کچھ فرشتے ایسے ہیں جن کی ڈیوٹی جنت میں ہے، یہ اللہ کی نعمتیں تیار کرنے پر مامور ہیں، یہ داروغہ جنت رضوان کے ساتھ ہوتے ہیں، ان فرشتوں میں کچھ اللہ کے سفیر کہلاتے ہیں، جو جبریل امین کے ہمراہ انبیاء کرام پر وحی لاتے رہے، کچھ وہ ہیں جن کی ذمہ داری میں بارش، بادل اور رزق پہنچانا شامل ہے، اور یہ میکائیل ہیں۔

ان فرشتوں میں صور پھونکنے کی ذمہ داری اسرافیل علیہ السلام کی ہے، کچھ فرشتے بنی آدمی کی حفاظت پر اور کچھ ان کے اعمال لکھنے پر ڈیوٹی دے رہے ہیں، ان فرشتوں میں منکر نکیر اور قبر میں آزمائش بننے والے فرشتے بھی ہیں، ان میں ملک الموت، ملک الموت کے اعوان اور انصار بھی ہیں، ان میں عزرائیل مشہور ہیں، قرآن میں فرشتوں کو اللہ کا لشکر کہا گیا ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اہل سنت والجماعت کے عقائد میں ہے کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں، ان سے کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد نہیں ہوتا، اللہ کے قرآن میں مسلمان کو بتایا گیا کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

پھر قرآن کریم نے فرشتوں کی عبادت، تسبیح خوانی کا تذکرہ یوں فرمایا کہ وہ شب و روز بغیر کسی وقفہ اور آرام کے اللہ کی تسبیح خوانی میں مصروف رہتے ہیں، یہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور اس کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں، وہ اللہ کی بندگی سے تکبر نہیں کرتے، اس کی تسبیح خوانی کرتے اور سجدہ ریزی میں مشغول رہتے ہیں۔

ان ارشادات عالیہ کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ فرشتوں کی فطری حیات

اور تخلیق ہی اس طرح کی ہے کہ وہ خضوع، خشوع، بندگی اور ریاضت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فرشتوں میں سے کوئی شرف صحابیت سے مشرف ہوا کہ نہیں؟ اس کا جواب ہمارے اسلاف نے اپنی کتابوں میں دیا ہے، علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر اسرار التنزیل میں فرماتے ہیں کہ یہ بات محل نظر ہے کہ فرشتوں میں سے کوئی صحابی ہوا کہ نہیں؟ فرماتے ہیں کہ اجماع اسی پر ہے کہ نبی کریم ﷺ فرشتوں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے، جب کہ شیخ تقی الدین سبکی نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نبی کریم ﷺ فرشتوں کی طرف بھی مبعوث ہوئے ہیں۔(الاصابہ فی تمیزالصحابہ)

## جنات میں صحابہ؟

جنات، جن کی جمع ہے، بعض حضرات کے ہاں جنات ہوائی، لطیف اجسام والی مخلوق ہے، جو مختلف شکلوں میں اپنا روپ بہروپ دھار سکتے ہیں، ان سے عجیب وغریب قسم کے افعال ظاہر ہوتے ہیں، ان میں مؤمن بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔

شیاطین کے بارے میں اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ آگ سے بنائے گئے ہیں، یہ انسانی نفسوں میں ضلالت، گمراہی اور فساد ڈالتے ہیں، بعض یہ فرماتے ہیں کہ جنات اور شیاطین دونوں کی تعریف ایک ہی ہے کہ یہ آگ سے بنائے گئے ہیں، عاقل ہیں، خوبصورت اور بدصورت شکلیں بنا سکتے ہیں۔

جنات اولاد آدم کی طرح ہوتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، ان کی اولاد ہوتی ہے، یہ شرعی احکام کے مکلف بھی بنائے گئے ہیں، ان میں اہل ایمان بھی ہوتے ہیں اور گناہ گار بھی ہوتے ہیں، جب کہ ان میں شیطان ایسا ہے جو عاصی اور نافرمان ہے۔

قرآنی مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو نار سموم سے پیدا فرمایا ہے، ان کو مکلف بنائے جانے کا پتا اس قرآنی آیت سے چلتا ہے جس میں بتایا گیا کہ ہم نے چند جنات کو آپ ﷺ کی طرف پھیرا وہ آپ ﷺ کی زبان سے قرآن کریم سن رہے تھے، جب آپ ﷺ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے حاضرین کو خاموشی کا کہا، جب تلاوت مکمل ہو گئی تو وہاں سے پلٹے اور اپنی قوم کی طرف آ گئے، جہاں انہوں نے اپنے لوگوں کو ڈرایا۔

سورۃ الجن میں نبی کریم ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ آپ ﷺ فرمادیں کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے توجہ سے قرآن کریم کی تلاوت سنی، پھر اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، ہم کبھی بھی اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

ایک مقام پر قرآن کریم نے یہ بتایا کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو بندگی اور عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے کلام مبارک اور انبیاء کرام کی تعلیمات عالیہ سے واضح ہوتا ہے کہ جنات کا وجود ہے، اجماع بھی اس پر ہے کہ جنات کا وجود ہے، جتنا کچھ جنات کے بارے میں دلائل سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکاری کافر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جنات میں صحابہ تھے؟ اس کا جواب بھی ہمارے اسلاف صالحین نے یہ دیا ہے کہ جنات میں وہ لوگ صحابہ میں داخل ہیں جنہوں نے حالت ایمان میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا یا آپ ﷺ سے ملاقات کی، اس لیے کہ

نبی کریم ﷺ جس طرح انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے اسی طرح جنات کی طرف بھی نبی بنا کر بھیجے گئے، یہ قطعی بات ہے، جنات مکلف بھی ہیں، ان میں نافرمان بھی ہیں اور اطاعت گزار بھی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی بات کو راجح قرار دیا ہے، جنات قطعی طور پر نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں، کیونکہ آپ ﷺ یقیناً اُن کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکیؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ آپ ﷺ تمام انسانوں اور جنوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، اس میں مجھے کسی میں اختلاف نظر نہیں آیا، ایک جماعت نے اس پر اجماع بھی نقل فرمایا ہے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

«فُضِّلتُ عَلَى الأَنبيَاءِ بستّ: أُعطِيتُ جَوامِعِ الكَلِمِ، وَنُصِرتُ بالرُّعب، وَأُحِلَّت لِيَ الغَنَائِمُ، وَجُعِلَت لِيَ الأَرضُ طَهُورًا وَّمَسجدًا، وَأُرسِلتُ إِلَى الخَلق كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النبيّونَ»مسلم

مجھے باقی انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم دیے گئے، رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی، میرے لیے غنیمتوں کا مال حلال کیا گیا، میرے لیے زمین پاک کی گئی ہے اور سجدہ کے لیے، اور مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے، اور مجھے خاتم النبیین بنایا گیا ہے۔

اسی طرح بخاری میں حضرت جابر سے روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کی گئیں، ان پانچ خصال میں بھی آپ ﷺ نے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجے جانے کا ذکر فرمایا۔

ان دلائل و براہین سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے اور جنات کی طرف بھی نبی بنا کر بھیجے گئے۔

## (صحابی کی پہچان کے ذرائع)

صحابی کی پہچان کے دلائل درج ذیل ہیں

① تواتر سے کسی شخص کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ یہ شخص صحابی رسول ہے، تواتر اس روایت کو کہا جاتا ہے جس پر اس قدر کثیر لوگوں کا اتفاق ہو کہ عقل انہیں جھوٹا نہ کہہ سکے، تواتر سے جن لوگوں کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ صحابی ہیں ان میں ابو بکر، عمر، عثمان، علی، عشرہ مبشرہ وغیرہ جیسے بے شمار صحابہ کرام ہیں۔

② کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہرت جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہو جیسے حضرت ضمام بن ثعلبہ اور حضرت عکاشہ بن محصن جیسے صحابہ۔

③ کسی کے بارے میں کوئی صحابی بتادے کہ یہ صحابی ہے جیسے حضرت حممہ بن ابی احممہ دوسی اصفہان میں پیٹ درد کے عارضہ میں فوت ہوگئے تو ان کے بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بتایا کہ ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شہید ہے، یہ واقعہ حضرت ابو نعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان میں لکھا ہے۔

④ تابعین میں سے کوئی اطلاع دے دے کہ فلاں شخص صحابی ہے۔

⑤ ایک شخص خود بتادے کہ وہ صحابی ہے، اس کی عدالت اور معاصرت کے ثبوت بھی ہونے چاہییں، کیونکہ اس کے بعد اس کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا یا آپ ﷺ سے کچھ سنا، اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی، جب سلام پھیرا تو اٹھ کر کھڑے ہوئے، اور فرمایا دیکھو!

«أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا، لاَ يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الأَرْضِ أَحَدٌ» (بخاری)

آج کی رات سے سو برس کے آخر تک کوئی شخص جو زمین پر ہے، زندہ نہ رہے گا۔

یہ بات آپ ﷺ نے اس سال ارشاد فرمائی جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اس ماخذ کی بناء پر ائمہ نے کسی ایسے شخص کا دعویٰ صحابیت اس بیان کی گئی مدت کے خاتمہ کے بعد قبول نہیں کیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں ایک ایسا ضابطہ بیان فرمادیا جس کو مد نظر رکھتے ہوئے صحابی کی پہچان آسان دکھائی دیتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلی بات یہ ہے کہ مغازی میں صحابہ کرام کے بغیر کسی کو جانے کا حکم نہیں دیا گیا، تتبع، استقراء اور تلاش کے بعد روایات میں جو باتیں وارد ہوئی ہیں انہیں دیکھا جائے گا اور ایسی روایات بہت سی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف فرماتے تھے کہ کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اسے لے کر آتا تھا تو نبی کریم اس کے لیے دعا کرتے تھے، اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ مدینہ شریف، مکہ مکرمہ، طائف اور ان کے درمیان کی آبادیوں میں جو شخص مسلمان ہوا تو وہ حجۃ الوداع میں شریک ہوا، چنانچہ جو شخص اس موقع پر موجود تھا وہ صحابہ کی فہرست میں شامل ہو گیا، کیونکہ اس شخص کو نبی کریم ﷺ کا دیدار نصیب ہوا، اگرچہ نبی کریم ﷺ اسے نہ دیکھ سکے ہوں۔

امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں رتن نامی ایک شخص کو بلاریب و شک شیخ دجال قرار دیا ہے جو چھ سو سال بعد صحابیت کا دعویٰ کرتا تھا، صحابہ کرام جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے جب کہ یہ شخص اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا۔

قرآن کریم کے روشن اور اُجلے صفحات پر حضرات انبیاء سابقین کے رفقاء اور اصحاب کے تذکرے موجود ہیں، ان کے ساتھ رب تعالیٰ کا سلوک کیا تھا اور انبیاء کے مخالفین و معاندین کے ساتھ سلوک کیا تھا، ایک قرآنی طالب علم ان باتوں سے اچھی طرح آگاہ ہے، ایک دانا اور بینا شخص ان لوگوں کی پاکیزہ زندگیوں سے سبق لیتا ہے، مخالفین کے عبرت ناک انجام سے عبرت حاصل کرتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کرام کے اصحاب کا تذکرہ کیا ہے، ان سے کہیں بڑھ کر رحمت دوعالم ﷺ کے اصحاب کا تذکرہ کیا ہے، ہم یہاں ان چیدہ چیدہ آیات کو نقل کریں گے جن میں اللہ تعالیٰ نے بڑے لاڈ اور پیار کا انداز اختیار کرتے ہوئے صحابہ کرام کو معیت نبوی کا شرف بخشا ہے۔

قرآن کریم میں رسالت مآب ﷺ کی رسالت کا اعلان کیا گیا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس شرف رسالت کا کیا کہنا، کیا مرتبہ اور کیا مقام ہے، ایک مسلمان سے پوشیدہ نہیں ہے، ایک جانکار مؤمن کی نظروں سے او جھل نہیں ہے، مگر شرف رسالت پانے والے عظیم الشان رسول کی عظمت اور بلندی شان کو اللہ نے جو مزید چار چاند لگائے تو وہ ان کے رفقائے کار تھے، وہ ان کے صحابہ کرام تھے، وہ ان کے جانثار، وفادار، اطاعت شعار ساتھی تھے، جن کی مدح سرائی یہاں قرآن کریم بڑے ہی پیارے انداز میں یوں کرتا ہے

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَماءُ بَيْنَهُمْ، تَراهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْواناً، سِيماهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ، ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْراةِ، وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴿الفتح﴾

محمد ﷺ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں، آپس میں شیر و شکر ہیں، آپ انہیں رکوع اور سجود کی حالت میں دیکھیں گے، یہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں، ان کی پیشانیوں پر داغ سجود ہیں، ان کی یہ مثالیں تورات میں ہیں اور ان کی یہ مثالیں انجیل میں ہیں۔

دانشگاہ قرآنی کا ادنیٰ طالب علم ادنیٰ سے غور و فکر کے بعد اندازہ کر سکتا ہے کہ یہاں اللہ نے "معہ" استعمال فرمایا، معہ معیت سے ہے، معیت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنیٰ ہے دو آدمیوں یا کئی آدمیوں کا ایک ہی مقام یا جگہ پر ہونا، اس لیے الفاظ کو دیکھتے ہوئے یہ بات ضروری ٹھہری کہ آیت میں کوئی مقام یا جگہ مراد لی جائے، کہ اس مقام یا جگہ پر یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی معیت میں تھے، آپ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، اس آیت کا شان نزول بتاتا ہے کہ یہ حدیبیہ کے مقام و جگہ کی معیت کو ظاہر کر رہی ہے، مگر اس معیت کو کسی وجہ سے مخصوص نہ کیا جائے بلکہ عام رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہے، کچھ کور چشم معیت سے صرف معیت دینی مراد لیتے ہیں کہ اس معیت میں ہر وہ شخص شامل ہے جو دین میں آپ ﷺ کا پیروکار ہے، یا آپ ﷺ کے دینی معاملات میں آپ ﷺ سے اتفاق رکھتا ہے۔

حضرات مفسرینؒ کرام جو بحر علم کے غواص و غوطہ زن تھے انہوں نے لکھا ہے کہ معہ سے مراد ابو بکر صدیقؓ ہیں، اشدآء علی الکفار سے مراد حضرت عمرؓ ہیں، رحماء بینھم سے مراد حضرت عثمانؓ ہیں، رکعاً سجداً سے حضرت علی المرتضیٰؓ مراد ہیں، فضل خداوندی کے متلاشی سے مراد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ہیں۔

مفسرینؒ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان الفاظ کا مصداق ان صحابہ کرام کو قرار دیا جن میں یہ صفات اعلیٰ پیمانے پر پائی جاتی تھیں، ورنہ سبحان اللہ سب صحابہ کرام ان عظیم الشان صفات سے موصوف اور متصف تھے۔

اشدآء علی الکفار جیسے الفاظ سے کوئی یوں نہ خیال کرے کہ الفاظ کی شدت بتاتی ہے کہ صحابہ کرام کافروں پر جبر وظلم کرتے تھے، ایسا ہر گز نہیں تھا، شدت سے مراد صرف اتنی ہے کہ صحابہ کرام کافروں پر رعب رکھتے تھے، ان کفار سے مراد وہ کافر ہیں جو میدان حرب وضرب میں مسلمانوں کے خلاف بر سر پیکار تھے۔

ذالک مثلھم۔ صحابہ کرام کی معیت، اشدآء علی الکفار، رحماء بینھم، رکوع وسجود والی صفات اللہ نے تورات میں بیان فرمائی ہیں، جب کہ صحابہ کرام کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ کی مثال انجیل میں بیان فرمائی ہے۔

اس آیت مبارکہ کے اختتام پر ایمان اور اعمال صالحہ کی بات بیان فرمائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ایمان والے بھی تھے اور ان میں نیک اعمال بجالانے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

مقام غور وفکر ہے کہ اللہ نے سورۃ الفتح کی اس آخری آیت میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ کی صفت رسالت کو بیان فرمایا، مگر اس کے اختصار کی طرف توجہ دی جائے تو پتا چلتا ہے کہ رب العالمین نے دریا بکوزہ کر دیا ہے، یہ ایسا اختصار ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی شروحات وتفاسیر اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

صحابہ کرام رسول کریم ﷺ کے صحبت یافتہ تلامذہ اور شاگرد تھے، انہوں نے مکہ اور مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوئے

دین سیکھا تھا اور قرآن کریم کا معنیٰ اور مفہوم سمجھا تھا، اللہ نے یہاں رسول کریم ﷺ کا تذکرہ بہت ہی مختصر الفاظ میں فرما کر صحابہ کرام کا تذکرہ کھل کر فرمایا، اس سے اشارہ کرنا مقصود تھا کہ جس عظیم استاذ، معلم اور اتالیق کے شاگردوں اور تلامذہ کی یہ شان، مقام اور مرتبہ ہے اس استاذ کا اپنا کیا مرتبہ اور مقام ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کا تذکرہ مختصر اور صحابہ کا تفصیل سے کر کے یہ بات سمجھا دی اور بتادی کہ نبی کریم ﷺ امام، پیشوا اور مقتدیٰ تھے، جب کہ صحابہ مقتدی تھے، مقتدیوں کے احوال تفصیل سے بتا کر جتادیا کہ جن مقتدیوں کا یہ عالم ہے ان کے امام کا کیا کہنا، مقتدیوں کو یہ مرتبہ اسی امام کی بدولت ملا ہے۔

قرآن کریم کے بحر ذخار میں غوطہ زنی کرنے والے اہل علم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ایک دعویٰ ہے، جب کہ اس کے بعد صحابہ کرام کے مناقب اس دعویٰ کی بین اور روشن دلیل ہے۔

نبی کریم ﷺ کی نبوت اور رسالت پر قرآن کریم میں متعدد دلائل بیان کیے گئے ہیں، سورۃ الفتح کی اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایک اور دلیل بیان کی گئی ہے۔

پیغمبر کا انتخاب من جانب اللہ ہوتا ہے، پیغمبر جن لوگوں کی طرف تشریف لاتا ہے وہ ان پر محنت کر کے انہیں باکمال ولاجواب بناتا ہے، اصحاب مصطفےٰ کریم ﷺ پر رسول کریم ﷺ نے شبانہ روز محنت فرمائی تو اللہ نے انہیں کمالات سے نوازا، صحابہ کا باکمال ہونا مصطفےٰ کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کی زبردست دلیل ہے۔

اے چشم بینا! دیکھ ذرا، کسی باکمال استاذ کو دیکھ، کسی کتب بین استاذ کو دیکھ، کسی علمی شخصیت کے مالک استاذ پر نظر دوڑا، اسی گئے گزرے دور میں دیکھ لے ذرا، جس

شخص کے علم و تقویٰ کی خبریں پھیل جاتی ہیں اس کی خدمت میں تشنگان علوم اس طرح امنڈ آتے ہیں جس طرح پھولوں کا رس چوسنے کے لیے شہد کی مکھیاں بھنبھناتے پہنچ جاتی ہیں اور اپنی مرضی کا رس چوس کر اپنے چھتہ میں جا پہنچتی ہیں، استاذ باکمال ہو تو شاگرد لاجواب تیار ہوتے ہیں، باکمال استاذ کے شاگردوں پر ہر دیکھنے والے کو رشک آتا ہے، جب کوئی شخص شاگردوں میں کمال دیکھتا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ سبحان اللہ اگر شاگرد اس قدر باکمال ہے تو استاذ کا درجہ کیا ہو گا، صحابہ کی یہ شانِ قرآنی دیکھ اور پڑھ کر ہر مؤمن اور مسلم پکار اٹھتا ہے کہ مصطفےٰ کریم بھی باکمال اور آپ کے شاگرد صحابہ کرام بھی باکمال ولاجواب، صحابہ کرام کے کمالات کو تسلیم کرنا دراصل مصطفےٰ کریم ﷺ کے کمالات کو تسلیم کرنا ہے، صحابہ کی عیب جوئی، ان میں نقص بینی گویا کہ بالواسطہ نبی کریم ﷺ میں عیب تسلیم کرنا ہے۔

اے انصاف پسند آنکھ ذرا دیکھ تو سہی، اس گئے گزرے دور میں کوئی روحانی معالج، کوئی تعویذ دینے والا، کوئی علاج معالجہ کرنے والا جب کسی مریض کا علاج کرتا ہے اور مریض ٹھیک ہو جاتا ہے تو پھر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف اس ڈاکٹر، اس طبیب اور روحانی معالج کی خبریں پھیل جاتی ہیں، لوگوں کا اس کے پاس تانتا بندھنا شروع ہو جاتا ہے، مریض کا صحت یاب ہونا ڈاکٹر کا کمال سمجھا جاتا ہے، تو جن لوگوں کے دلوں کو ایمان کے آب حیات سے محمد عربی ﷺ نے دھویا وہ کیسے بیمار رہ سکتے ہیں، ان کے ایمان کی سلامتی اور صحت یابی کا کریڈٹ تو محمد عربی ﷺ کو جاتا ہے۔

سورۃ الفتح کی اس آیت کی گہرائی اور گیرائی میں جا کر دیکھا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام کا اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعلق کیسا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کیسا تھا، انسانوں کے ساتھ وہ شفیق ومہربان تھے، کافروں پر سخت تھے، اللہ کی بندگی کرتے تو فرشتوں کا ماحول بنا لیتے تھے، فرشتے کوئی رکوع میں ہے، کوئی قیام میں

ہے، کوئی سجدہ ریز ہے، صحابہ کی فضیلت بھی یہ بیان کی گئی کہ وہ رکوع اور سجدہ میں دیکھے جاتے ہیں، ان سارے کاموں سے انہیں مطلوب رب تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی رضا ہے، وہ اس کے فضل واحسان کے متلاشی ہیں۔

رب کی طرف سے حج کا حکم آیا، روزے کا حکم آیا، زکوٰۃ کا حکم آیا، جہاد کا حکم آیا، مگر یہاں صحابہ کرام کی ایک عبادت نماز اور نماز میں بھی رکوع اور سجدے کا ذکر نمایاں طور پر دکھائی دے رہا ہے، یہ بتانے کے لیے کہ جن کے رکوع اور سجود کا یہ عالم ہے ان کی بقیہ نماز اور بقیہ عبادات کا کیا کہنا۔

رب تعالیٰ کو ان کی معیت مصطفوی پسند ہے، اس لیے یہاں اپنے محبوب کی رسالت و نبوت کے ساتھ ان کی معیت، ہمرکابی، ہمراہی، ہم نشینی کا ذکر فرمایا ہے، رب تعالیٰ کو ان کی قوت عضبیہ جو کفار کے خلاف استعمال ہوتی ہے وہ بھی پسند ہے، اس لیے اس کا ذکر فرمایا، رب تعالیٰ کو ان کا باہم شیر وشکر ہونا بھی پسند ہے اس لیے اس کا ذکر فرمایا، رب تعالیٰ کو ان کی بندگی، بندگی میں رکوع اور سجدہ ریزی بھی پسند ہے اس لیے اس کا ذکر فرمایا، رب تعالیٰ کو ان کی چمکتی پیشانیوں پر نشانہائے سجود بھی پسند ہیں اس لیے اس کا ذکر بھی اپنی پیاری کتاب میں فرمایا، جو تا قیام قیامت پڑھا جاتا رہے گا۔

صحابہ کرام دن کے شہسوار اور شب کے عبادت گزار تھے، اسی عبادت گزاری کے باعث ان کے چہرے تاباں اور منور دکھائی دیتے تھے، صحابہ کرام مجموعوں میں پہچانے جاتے تھے، ان کی پیشانیوں پر نشان سجدہ ہوتا اور چہروں پر ایمان کا نور نمایاں دکھائی دیتا تھا، بعض روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ جو لوگ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کی بندگی کرتے ہیں، نماز تہجد ادا کرتے ہیں ان کے چہرے پر خاص قسم کا نور ہوتا ہے،

جس سے اس شخص کے بارے میں اندازہ لگانا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ یہ شخص رات کو عبادت میں گزارتا ہے۔

ان کی شانیں تورات اور انجیل میں موجود ہیں، تورات اور انجیل پہلی آسمانی کتابیں ہیں، تورات حضرت موسیٰ اور انجیل حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔

تورات کی کتاب استثناء کا تیرھواں باب اور اس کا چھٹا درس گواہ ہے، لکھا ہے کہ اگر تیرا بھائی یا بیٹا یا جورو یا دوست کوئی تجھے پھسلادے اور کہے کہ آؤ غیر معبودوں کی بندگی کرو تو اس کے موافق نہ ہونا اور اس کی بات نہ سننا اور اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا اور اس کی رعایت نہ کرنا اور اسے پوشیدہ نہ رکھنا بلکہ اس کو ضرور قتل کر ڈالنا، اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے۔

بنی اسرائیل کے اس عظیم تاجدار نبوت جسے موسیٰ کہا جاتا ہے نے اپنے پیروکاروں، اطاعت گزاروں اور وفاشعاروں سے یہ توقع کی تھی، انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایسا ایسا اور یوں یوں کریں، مگر دیکھو تو سہی کہ کالی کمبلی والے، آقا مدنی کریم ﷺ کے وفاداروں، جانثاروں، اطاعت شعاروں، دیوانوں، پروانوں اور مستانوں نے کس جانفشانی سے وہ کارہائے نمایاں کرکے دکھائے، کافروں پر سختی کے متمنی موسیٰ علیہ السلام تھے، مگر یہ سختی کافروں پر کس نبی کے یاروں نے دکھائی سوائے محمد عربی ﷺ کے صحابہ کرام کے، کافروں پر وہ اس قدر سخت تھے کہ ان کی یہ سختی اور شدت قرآنی پاروں کی آیات میں چمکنے دمکنے لگی۔

نبی کریم ﷺ کے جانشین اول، خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق کی یہ امتیازی شان دیکھنے کے لائق ہے کہ میدان کارزار گرم تھا، احد کا میدان تھا جب وہ اپنے کافر والد کی گردن تن سے جدا کرنے والے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں

ایسا کرنے سے روک دیا، اس کا تذکرہ معاندین و مخالفین صحابہ کے بڑے امام شیخ علی نے اپنی کتاب تذکرۃ الفقہاء میں بھی کیا ہے۔

میدان بدر میں جب ستر کافر تہ تیغ کر دیے گئے، ستر پابہ زنجیر بنا کر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچائے گئے، ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ ہو رہا تھا کہ سیدنا عمر کی زبان فیض ترجمان سے یہ کلمات نکلے کہ ان میں جو جس مسلمان کا رشتہ دار ہے مسلمان اسے اپنے ہاتھوں جہنم رسید کرے گا، اور اللہ کی محبت کے مقابلے میں کسی رشتہ دار کی رشتہ داری کی محبت اس کے سامنے حائل نہیں ہو گی، عمر بولے تھے کہ عقیل علی کے سپرد کیا جائے، نوفل میرے حوالے کیا جائے تاکہ ہم انہیں اپنے ہاتھوں قتل کر ڈالیں۔

اے چشم حقیقت! ذرا انجیل کے ورق بھی پلٹ کر دیکھ لے کہ انجیل میں آقا مدنی کریم ﷺ کے جانثاروں، فداکاروں کے بارے میں کیسی مثال دی گئی، لکھا ہے آسمان کی بادشاہت رائی کے دانے کی مانند ہے، جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا اور وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہے پر جب اُگتا ہے سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہوتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔

اللہ سورۃ الفتح کی اس آیت میں انجیل میں بیان کی گئی اسی مثال کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ اصحاب پیغمبر ﷺ کی مثال انجیل میں یوں ہے جس طرح ایک چھوٹا سا دانہ کہ اس میں اول پتی نکلتی ہے پھر وہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ بڑا درخت ہو جاتا ہے اور دیکھنے والے کو حیرت میں گم کر دیتا ہے، انجیل میں بیـان کی گئی مثال اور قرآن کریم کی اس آیت میں بیـان کی گئی بات میں کس قدر یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔

صحابہ کرام بھی اوائل میں تھوڑے تھے، پھر رفتہ رفتہ ان کا دائرہ وسیع ہوتا گیا،ان کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک کہ وہ ایک لشکر بن گئے،ان کی تعداد کو کافر دیکھ کر حیران ہوتے تھے،ان کی تعداد کو دیکھ کر پریشان بھی ہوتے تھے،اسی لیے تو ایک بار آواز اٹھی تھی کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو،ان کا خیال تھا کہ ان کا نان نفقہ بند کر دیں گے تو یہ لوگ بھاگ جائیں گے۔

## صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رفاقت

کفار صحابہ کرام کو ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے، غریب صحابہ کے ساتھ تو بیٹھنا بھی ان کو گوارا نہیں تھا، نبی کریم ﷺ سے کہتے تھے کہ ان غریبوں کو اپنی محفل سے اٹھائیں تاکہ ہم آپ کی بات سنیں، مگر اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ میرے حبیب غریب صحابہ کو ہٹا کر کافروں کو بات سنائیں،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿۲۸﴾الکہف

اور اپنے آپ کو استقامت سے ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے،اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا،اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔

بعض کفار کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ جو غریب اور کم حیثیت لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں، اگر آپ انہیں اپنے پاس سے ہٹادیں تو ہم آپ کی بات سننے کو

تیار ہوں گے، موجودہ حالت میں ہم ان غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ کی کوئی بات نہیں سن سکتے۔

یہ آیت اس مطالبے کو رد کر کے آنحضرت ﷺ کو ہدایت دے رہی ہے کہ آپ اس مطالبے کو نہ مانیں اور اپنے غریب صحابہ کی رفاقت نہ چھوڑیں، اور اس ضمن میں ان غریب صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کے مقابلے میں ان مالدار کافروں کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن)

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت مذکورۂ بالا عیینہ بن حصین فزاری کے حق میں نازل ہوئی، مسلمان ہونے سے پہلے عیینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت کچھ نادار مسلمان خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسی بھی تھے حضرت سلمان ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور آپ کو پسینہ بھی آ رہا تھا عیینہ بولا محمد ﷺ! کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے دکھ نہیں ہوتا۔

ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے لوگ ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن ہم کو آپ کا اتباع کرنے سے ایسے لوگوں کی آپ کے پاس موجودگی روکتی ہے ان کو آپ ہٹا دیں تو ہم آپ کا ابتاع کرنے لگیں گے یا ہمارے لئے ان سے الگ کوئی بیٹھنے کی جگہ مقرر کر دیں اور ان کی مجلس ہم سے الگ کر دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

**اصحاب صفہ** : قتادہ کا بیان ہے کہ الذین یدعون ربھم۔۔ سے اصحاب صفہ مراد ہیں جن کی تعداد سات سو تھی یہ سب نادار لوگ تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں فروکش تھے نہ کسی کی کھیتی تھی نہ دودھ کے جانور نہ کوئی تجارت، نمازیں پڑھتے رہتے تھے ایک وقت کی نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہتے تھے، جب یہ

آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تعریف ہے اس اللہ کے لئے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے جن کی معیت میں مجھے جمے رہنے کا حکم دیا۔

## صحابہ کرام کا جہاد بالمال اور جہاد بالنفس

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کرتے تھے، یہ خوبیوں کے مالک ہیں اور کامیاب لوگ ہیں، ارشاد ہے

لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸۸﴾توبہ

لیکن رسول اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے خوبیاں ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

کفار اور منافقین شمع اسلام کو بجھانے کے لیے کوشاں رہے، جب کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے جانثار صحابہ کرام اپنا تن من دھن لٹا کر دین اسلام کی آبیاری اور پاسداری کرتے رہے، جہاں مال کی ضرورت پڑی کسمپرسی، بے سروسامانی کے باوجود انہوں نے اپنا مال اللہ کے دین پر لٹایا، جہاں جان دینے کا وقت آیا تو کبھی جان بچانے کی کوشش نہیں کی، ان لوگوں میں بہت خوبیاں تھیں، سراپا خوبی تھے، پھر یہی لوگ تو تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کامیاب لوگ بتایا۔

## قیامت کے دن صحابہؓ کا نور

بروز محشر بڑے بڑے لوگ روسیاہ اور رسوا ہو جائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم اور احسان ہو گا اپنے حبیب نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام پر، اللہ انہیں عزت عطا فرمائے گا، اللہ انہیں سرخرو فرمائے گا، ارشاد ہے

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۸﴾التحريم

اس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو رسوا نہیں کرے گا۔ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے کہ : اے ہمارے پروردگار ! ہمارے لیے اس نور کو مکمل کر دیجیے اور ہماری مغفرت فرمادیجیے۔یقیناآپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

جب قیامت کا دن آئے گا تو اس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں (صحابہ کرام ) کو رسوا نہیں کریگا بلکہ وہ اپنے نبی کی عزت افزائی کرے گا۔اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی شفاعت ہر اس آدمی کے بارے میں قبول فرمائے گا۔ جو اس شفاعت کا مستحق ہو گا اللہ تعالیٰ کسی مستحق شخص کے لئے سفارش کو نامنظور نہیں کرے گا۔اور اس طرح اپنے نبی کو رسوائی سے بچالے گا۔

پھر جب پل صراط کے اندھیروں پر سے گزرنے کی منزل آئیگی تو اہل ایمان کا نور ان کے سامنے اور دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا۔ سامنے ان کے ایمان کی روشنی ہو گی اور دائیں طرف اعمال صالحہ کی روشنی ہو گی جس کے ذریعے وہ اندھیروں کو عبور کر لیں گے۔ یہ روشنی علی قدرالاعمال ہو گی ، کسی کی زیادہ اور کسی کی کم۔ پھر جن کی روشنی کم ہو گی۔(معالم العرفان)

وہ بارگاہ رب العزت میں عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہماری روشنی کو مکمل فرمادے، منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے ذرا ٹھہر جاؤ، ہم بھی تمہاری روشنی میں تھوڑا چل لیں، مگر جواب آئیگا پیچھے جاکر روشنی تلاش کرو۔یہاں روشنی کہاں ہے ؟مقصد یہ کہ روشنی حاصل کرنے کا

مقام تو دنیا تھی وہاں تو تم نے نور ایمان حاصل نہ کیا، اب یہاں تمہیں روشنی میسر نہیں آسکتی۔

اس کے ساتھ ساتھ ایمان والے یہ بھی عرض کریں گے پروردگار! ہمیں معاف فرمادے۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ بہر حال ایمان والوں کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کم روشنی والوں کی روشنی کو بھی زیادہ کردے گا۔ اور وہ تاریک منزل سے بآسانی گزر جائیں گے۔ (معالم العرفان)

ان ایمان والوں میں ساری دنیا کے اہل ایمان بالعموم مراد ہیں، مگر میرے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام ان ایمان والوں میں بالخصوص مراد ہیں، کیونکہ وہ اولین اہل ایمان ہیں۔

## تہجد گزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

سورۃ المزمل میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے حبیب ﷺ کی تہجد گزاری کا ذکر فرمایا وہاں آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تہجد گزاری اور شب بیداری کا بھی ذکر فرما کر ان کی عظمت و رفعت کو چار چاند لگا دیے، ارشاد فرمایا

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ (المزمل)

بلاشبہ آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت رات کے دو تہائی حصہ کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات کھڑے رہتے ہیں۔

شروع سورت (مزمل) میں قم اللیل سے رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں پر قیام اللیل کو فرض قرار دیا گیا تھا اور اس قیام کا طویل ہونا بھی فرض تھا مگر اس کے طول میں اختیار دیا گیا تھا کہ آدھی رات سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور کم سے کم ایک تہائی

رات ہونا چاہیے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت اس فرض کی ادائیگی میں اکثر عزیمت پر عمل فرماتے اور زیادہ سے زیادہ رات کا وقت اس نماز میں گزارتے تھے جو دو تہائی رات کے قریب ہوتا تھا۔

ہر رات میں یہ عمل پھر دن میں دین کی دعوت و تبلیغ اور ذاتی ضروریات خصوصاً صحابہ کرام کہ بیشتر محنت مزدوری یا تجارت کرتے تھے، اس طویل و ثقیل نماز کی پابندی ہی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پاؤں ورم کر آئے۔

ان کی یہ مشقت و محنت اللہ تعالیٰ کے سامنے تھی وہ اس سے بخوبی واقف تھے مگر علم الٰہی میں پہلے ہی سے متعین تھا کہ اتنی محنت کا فریضہ چند روز ہی رکھا جائے گا تاکہ آپ اور صحابہ کرام محنت و ریاضت کے خوگر ہو جائیں جس کی طرف آیات مذکورہ میں بھی اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَـقِیۡلًا میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپ سے یہ محنت و مشقت اس لئے لے جا رہی ہے کہ آپ کو قول ثقیل یعنی قرآن کی خدمت سپرد ہونے والی تھی جو اس مشقت سے بڑی مشقت ہے۔

بہر حال علم ازلی کے مطابق جب یہ حکمت ریاضت و محنت کے خوگر بنانے کی پوری ہو گئی تو یہ فرض قیام اللیل منسوخ کر دیا گیا۔

اور حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات مذکورہ سے صرف طول قیام کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو اصل نماز تہجد کا فرض بدستور رہا ہو پھر شب معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے وقت نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو۔ (معارف القرآن)

## نبی کریم ساجدین کے درمیان

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ساجدین صحابہ کرام کی شان کو یوں دوبالا فرمایا، ارشاد ربانی ہے

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿٢١٩﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾الشعراء

اور (اے نبی ﷺ!) آپ بھروسہ کیجیے اس اللہ پر جو بہت زبردست، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ جو دیکھتا ہے آپ ﷺ کو جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور (وہ دیکھتا ہے) آپ ﷺ کے آنے جانے کو سجدہ کرنے والوں میں۔ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ: کے کئی معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ ① ایک یہ کہ آپ جب نماز باجماعت میں اپنے مقتدیوں کے ساتھ اٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع و سجود کرتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

② دوسرے جب راتوں کو اٹھ کر آپ اپنے ساتھیوں کو (جن کے لیے "سجدہ گزار" کا لفظ امتیازی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے) دیکھتے پھرتے ہیں کہ وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے کیا کچھ کر رہے ہیں، اس وقت آپ اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہوتے۔

③ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اس تمام دوڑ دھوپ اور تگ و دو سے واقف ہے جو آپ اپنے سجدہ گزار ساتھیوں کی معیت میں اس کے بندوں کی اصلاح کے لیے کر رہے ہیں۔

④ چوتھے یہ کہ سجدہ گزار لوگوں کے گروہ میں آپ کے تمام تصرفات اللہ کی نگاہ

میں ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ آپ کس طرح ان کی تربیت کر رہے ہیں، کیسا کچھ ان کا تزکیہ آپ نے کیا ہے اور کس طرح مس خام کو کندن بنا کر رکھ دیا ہے۔ (تفہیم القرآن)

نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی ان صفات کا ذکر یہاں جس غرض کے لیے کیا گیا ہے اس کا تعلق اوپر کے مضمون سے بھی ہے اور آگے کے مضمون سے بھی، اوپر کے مضمون سے اس کا تعلق یہ ہے کہ آپ حقیقت میں اللہ کی رحمت اور اس کی زبردست تائید کے مستحق ہیں، اس لیے کہ اللہ کوئی اندھا بہرا معبود نہیں ہے، دیکھنے اور سننے والا فرمانروا ہے، اس کی راہ میں آپ کی دوڑ دھوپ اور اپنے سجدہ گزار ساتھیوں میں آپ کی سرگرمیاں، سب کچھ اس کی نگاہ میں ہیں۔

بعد کے مضمون سے اس کا تعلق یہ ہے کہ جس شخص کی زندگی یہ کچھ ہو جیسی کہ محمد ﷺ کی ہے، اور جس کے ساتھیوں کی صفات وہ کچھ ہوں جیسی کہ اصحاب محمد ﷺ کی ہیں اس کے متعلق کوئی عقل کا اندھا ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس پر شیاطین اترتے ہیں یا وہ شاعر ہے۔

شیطان جن کاہنوں پر اترتے ہیں اور شعراء اور ان کے ساتھ لگے رہنے والوں کے جیسے کچھ رنگ ڈھنگ ہیں، وہ آخر کس سے پوشیدہ ہیں۔ تمہارے اپنے معاشرے میں ایسے لوگ کثرت سے پائے ہی جاتے ہیں۔

کیا کوئی آنکھوں والا ایمانداری کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کی زندگی میں اور شاعروں اور کاہنوں کی زندگی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟ اب یہ کیسی ڈھٹائی ہے کہ ان خدا کے بندوں پر کھلم کھلا کہانت اور شاعری کی پھبتی کسی جاتی ہے اور کسی کو اس پر شرم بھی نہیں آتی۔ (تفہیم القرآن)

## صحابہ کرامؓ کو ڈٹ جانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو حکم دیا ہے کہ انہیں جس بات کا حکم دیا جاتا ہے اس پر ڈٹے رہیں، ارشاد ہے

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ ﴿۱۱۲﴾هود

تو (اے نبی!) آپ ڈٹے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور وہ بھی جنہوں نے توبہ کی ہے آپ کے ساتھ ۔

جس دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو تاج نبوت ورسالت سے نوازا وہ مشکل ترین دور تھا، جہالت کا دور دورہ تھا، لوگ بات کا بتنگڑ بناتے ذرا نہیں چوکتے تھے، پروپیگنڈہ عام تھا، ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو توبہ تائب ہو کر آپ ﷺ کے شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے تھے انہیں فرمایا جارہا ہے کہ اپنے مؤقف ومشن پر ڈٹ کر مستعدی سے کھڑے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، قاضی ثناءاللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ استقامت کا لفظ اپنے اندر عموم رکھتا ہے' ہر طرح کی استقامت کو شامل ہے۔

① عقائد کی استقامت: یعنی اللہ کی ذات کو تمام صفات کمالیہ کا جامع سمجھنا (صفات خداوندی کا انکار نہ کرنا) مگر اس کی صفات کو مخلوق کو صفات کے مشابہ بھی نہ قرار دینا (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی کوئی صفت مخلوق کی صفت کی طرح نہیں ہے، اس کی صفات کامل ہیں) اور نہ بندوں کو بالکل مجبور سمجھ لینا نہ کامل مختار (یعنی انسان کو درو دیوار اور چرند وپرند کی طرح بے اختیار بھی نہ سمجھنا اور نہ قادر مطلق، بے لگام مختار کہ

جیسا چاہے کر سکے اور جب چاہے کر سکے، بلکہ درمیانی سیدھی راہ پر ہی چلنا)۔

② اعمال کی استقامت، یعنی وحی اور شریعت کو پورا پورا بیان کر دینا، نہ اس میں زیادتی کرنا نہ کمی۔

③ عبادات اور معاملات کو ان کے حقوق کے موافق ادا کرنا، نہ ان میں (جذبۂ خیر کے زیر اثر) زیادتی کرنا (کہ پانچ وقت کی جگہ چھ وقت نماز فرض قرار دے دی جائے) نہ کمی کرنا (کہ چار رکعت فرض کی جگہ تین رکعتیں مقرر کر لی جائیں)۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد میں کسی سے پوچھنے کا محتاج نہ رہوں۔ فرمایا: اٰمَنْتُ باللہ کہو اور استقامت رکھو۔ رواہ مسلم (یعنی سیدھی چال چلو اور اس پر قائم رہو) لفظ استقامت تمام امور کو حاوی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے فرمایا: استقامت (سے مراد) یہ ہے کہ اوامر و نواہی پر قائم ہو جائے اور لومڑی کی طرح (راہ مستقیم سے ادھر ادھر نہ مڑے۔ (مظہری)

رسول اللہ ﷺ کی پوری نبوت کی مدت میں اس آیت سے زیادہ سخت آپ ﷺ پر کوئی اور آیت نازل نہ ہوئی، اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا: مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں اس سے مراد پوری سورۃ نہیں بلکہ) اس سورۃ کی یہی آیت ہے جس میں استقامت کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حضور ﷺ گو فطرتاً اور تخلیقاً استقامت کے حامل تھے مگر آپ ﷺ پر ایمان لانے والے اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے والی ساری امت تو ایسی نہ تھی اور امت پر آپ ﷺ بڑے مہربان تھے، اسی فکر نے آپ ﷺ کو بوڑھا کر دیا کہ امت کے لئے استقامت سخت

دشوار ہے، اس کا کیا ہو گا۔ (مظہری)

ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کس قدر استقامت کے پہاڑ بن کر دین کی سربلندی اور نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو گئے تھے، عقائد کی حفاظت میں صبر کے پہاڑ تھے، عبادات میں بھی وہ کوہ استقامت تھے، ان کی جس جس ادا پر توجہ دی جائے وہیں وہ قابل رشک نظر آتے ہیں۔

## کافروں کے مقابلے میں صحابہؓ

جس طرح آیت مباہلہ میں اپنے اہل بیت کو شامل فرمایا، اسی طرح کافروں کے مقابلے میں اپنے صحابہ کرام کا ذکر کیا، ارشاد ہے

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾ الملک

(اے پیغمبر ! ان سے) فرمادیجیے کہ : ذرا یہ بتلاؤ کہ چاہے اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو مار ڈالے یا ہم پر رحم فرمادے، (دونوں صورتوں میں) کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟

یہاں رسول کریم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ اپنے مخاطبین سے یہ باتیں فرما دیں، پہلی بات یہ ہے کہ تم میرے لیے اور میرے صحابہ کرام کے لیے دکھ تکلیف میں مبتلا ہونے کی آرزوئیں رکھتے ہو تم اپنے بارے میں فکر کرو، دیکھو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے صحابہ کرام کو مار دے، موت دے دے، دنیا سے پردہ کروادے (جیسا کہ تم چاہتے ہو) یا ہم پر مہربانی فرمادے جیسا کہ ہم اس سے یہی امید رکھتے ہیں تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا، ہمارے لیے تو ہر حالت میں بہتری ہی بہتری ہے، موت آگئی

تو بھی ہمارا بھلا ہے، زندگی بھی اس کی عطاء ہے، تم پر جب کفر کا عذاب آئے گا تو تم کو کون بچائے گا اس پر توجہ دینے کی تمہیں ضرورت ہے۔

مباہلہ کے دوران تو اپنے گھر کے افراد کو ساتھ رکھنے کا اعلان ہوا تھا مگر یہاں کافروں کو متوجہ کرتے ہوئے اپنے ساتھ اپنے صحابہ کو رکھا اور بھرپور انداز میں ان کا تذکرہ فرمایا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں

کفار تمنا کرتے تھے کہ کہیں جلد مر مرا کر ان کا قصہ ختم ہو جائے (العیاذ باللہ) اس کا جواب دیا کہ فرض کرو تمہارے زعم کے موافق میں اور میرے ساتھی دنیا میں سب ہلاک کر دیے جائیں یا ہمارے عقیدے کے موافق مجھ کو اور میرے رفقاء کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کامیاب و بامراد کرے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، مگر تم کو اس سے کیا فائدہ ہے۔ ہمارا انجام دنیا میں جو کچھ ہو، بہر حال آخرت میں بہتری ہے کہ اس کے راستہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی پر جو دردناک عذاب آنا یقینی ہے، اس سے کون بچائے گا۔ ہمارا اندیشہ چھوڑ دو، اپنی فکر کرو، کیونکہ کافر کسی طرح بھی خدائی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔

## تسلیم و رضا کے پیکر صحابہؓ

حضرت نبی کریم ﷺ نے جہاں اپنے تسلیم و انقیاد کا ذکر فرمایا وہاں حضرات صحابہ کرامؓ کی پیروی، اتباع اور سر تسلیم خم کرنے کا بھی ذکر فرمایا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ ﷺ ایسا کہیں اور لوگوں کو بتائیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ «آل عمران ۲۰»

پھر اے نبی ﷺ اگر وہ آپ ﷺ سے جھگڑا کریں تو آپ فرمادیں کہ میں نے تو اپنا

چہرہ اللہ کے سامنے جھکادیا ہے اور میرے پیروکاروں (صحابہ) نے بھی۔

وہ جھگڑتے تھے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہاں ان کو بتلایا گیا کہ ایسا (فرضی) اسلام کس کام کا۔ آؤ دیکھو، اسلام اسے کہتے ہیں جو محمد ﷺ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کے پاس ہے۔

اسلام نام ہے تسلیم وانقیاد کا یعنی بندہ ہمہ تن اپنے کو خدا کے ہاتھ میں دیدے سو محمد ﷺ اور مہاجرین و انصار کو دیکھ لو کس طرح انہوں نے شرک، بت پرستی، بداخلاقی، فسق وفجور اور ظلم وعدوان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان، مال، وطن، کنبہ، بیوی بچے، غرض تمام مرغوب و محبوب چیزیں حق تعالیٰ کی خوشنودی پر نثار کر دیں اور کس طرح ان کا چہرہ اور آنکھیں ہر وقت حکم الٰہی کی طرف لگی رہتی ہیں کہ ادھر سے حکم آئے اور ہم تعمیل کریں۔

اس کے بالمقابل تم اپنا حال دیکھو کہ خود اپنی خلوتوں میں اقرار کرتے ہو کہ محمد ﷺ حق پر ہیں، مگر ان پر ایمان لائیں تو دنیا کا مال و جاہ چھنتا ہے، بہر حال باوجود وضوح حق کے اسلام کی طرف نہیں آتے، تم جانو، ہم تو اپنے کو ایک خدا کے سپرد کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

## نبی ﷺ اور صحابہؓ کا راستہ

نبی کریم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے کام کو اپنا راستہ بتایا اور اپنے صحابہؓ کا تذکرہ بھی ساتھ ہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرے تابعداروں (صحابہؓ) کا بھی راستہ ہے،

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي«یوسف ۱۰۸»

(اے نبی) آپ فرمادیجیے کہ: یہ میرا راستہ ہے، میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو علوم رسالت کے خزانے اور خداوند سبحانہ و تعالیٰ کے سپاہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ اس تمام امت کے بہترین افراد ہیں جن کے دل پاک اور علم گہرا ہے، تکلف کا ان میں نام نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی صحبت و خدمت کے لئے منتخب فرمالیا ہے تم انہی کے اخلاق و عادات اور طریقوں کو سیکھو کیونکہ وہی سیدھے راستہ پر ہیں۔

دیگر آیات کی طرح یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے صحابہ پرا عتماد کا کیا عالم تھا، دعوت و تبلیغ کارِ نبوت تھا اور ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی وجہ البصیرت لوگوں کو دعوت دیتے تھے، تو کارِ دعوت حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی راستہ اور منہج تھا، صحابہ کرامؓ بھی اپنے محبوب قائد کی طرح علی وجہ البصیرت لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔

## صحابہؓ میں ایمان وایقان کی پختگی

حضرات صحابہ کرامؓ کے ایمان وایقان کی پختگی اور ان کی پاکیزہ سیرت اور اُجلے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے رب العالمین نے فرمایا

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ «٧» فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ «٨»الحجرات

اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔ بہت سی باتیں ہیں جن میں وہ اگر تمہاری بات مان لیں تو خود تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ

نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے، اور اسے تمہارے دلوں میں پر کشش بنادیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھا دی ہے۔ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک ٹھیک راستے پر آچکے ہیں۔ جو اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کا نتیجہ ہے،اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو اپنا ایک بہت بڑا انعام یاد دلایا اور فرمایا کہ دیکھو تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ تمہارے اندر اپنے رسول کو بھیجا ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ ہمارا رسول جو عمل کرتا ہے اور تمہیں جو حکم دیتا ہے اس میں ان کی اپنی مصلحت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد بھی ہوتی ہے بعض مواقع میں تم مشورہ بھی دیتے ہو تمہارے بہت سے مشورے نتائج کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہوتے اس لیے نبی کریم ﷺ ان کے مطابق عمل نہیں کرتے تم اس سے پریشان نہ ہوا گروہ تمام باتوں میں تمہاری رائے پر چلیں تو بہت سی باتیں ایسی ہوں گی ان کے بارے میں تمہاری رائے قبول کرلی جائے گی تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے اور تمہیں اس کا نقصان پہنچ جائے گا۔(انوار البیان)

اللہ نے احسان فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی، اللہ نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں ایمان کو مزین فرمادیا، کفر، فسوق اور عصیان کو صحابہؓ سے ناپسند فرمایا، صحابہ کرامؓ ہدایت والے لوگ ہیں، یہ سب کچھ اللہ کے فضل و نعمت کا نتیجہ ہے۔

ان آیات کے مطالعہ سے انصاف پسند لوگ اچھی طرح یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو کیسا عظیم مقام عطا فرمایا ہے۔

## صحابہ کرامؓ سچے مؤمن

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی مدح سرائی فرمائی، ان کے ایمان کا ذکر فرمایا، ان کی ہجرت کا تذکرہ فرمایا، ان کے جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا، ان کے خصائل بیان فرمانے کے بعد انہیں سچے مؤمن ہونے کی سند عطا فرمائی، ارشاد ربانی ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ «۷۴» الانفال

اور جو لوگ ایمان لے آئے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، وہ اور جنہوں نے انہیں آباد کیا اور ان کی مدد کی وہ سب صحیح معنوں میں مومن ہیں۔ ایسے لوگ مغفرت اور باعزت رزق کے مستحق ہیں۔

واضح ہو گیا کہ مصطفےٰ کریم ﷺ کے دامن اقدس سے جڑ کر جن لوگوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اپنا گھر بار چھوڑا، اپنا سب کچھ تج دیا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان مہاجرین کو مدینہ میں ٹھکانہ فراہم کیا، ان کی مدد اور نصرت کی یہ سب لوگ سچے مؤمن ہیں، ان کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہے اور انہیں عزت والا رزق ملے گا۔

ہجرت اور نصرت دو اہم چیزیں ہیں، ہجرت کرنے والے بھی عظیم لوگ ہیں، جنہوں نے نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کو ترجیح دی، سب چیزوں سے مقدم سمجھا اور سب کچھ قربان کر دیا، جب کہ نصرت میں آدمی آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارت کرتا ہے، مال لٹاتا ہے، ان کی ضروریات پوری کرتا ہے، ہجرت اور نصرت کی بدولت ایمان کی سچائی معلوم ہوتی ہے۔

# صحابہ کرامؓ خدائی لشکر

اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو حزب اللہ قرار دیا کہ یہ خدائی لشکر ہیں، ارشاد فرمایا

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۲﴾ المجادلہ

جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ان سے دوستی رکھتے ہوں، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے، اور اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے، اور انہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کی محبت میں ڈوبے ہوئے صحابہ کرام کی شان بیان ہو رہی ہے، ان کے دل میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی رچی بسی تھی، وہ اپنے دل میں کسی اور کی محبت رکھ ہی نہیں سکتے تھے۔

حضرات مفسرین کرامؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کو ایسے متعدد واقعات پیش آئے کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے دشمن اسلام کو یہ جانتے ہوئے قتل کر دیا کہ یہ میرا باپ ہے یا بھائی ہے یا کنبہ کا فرد ہے چنانچہ غزوہ بدر میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے اپنے باپ جراح کو قتل کر دیا تھا اور

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیرؓ کو اور حضرت عمرؓ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو قتل کر دیا تھا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہ مثالیں لکھی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمنؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! جنگ بدر کے موقع میں کئی بار ایسا موقع پیش آیا کہ میں آپ کو قتل کر سکتا تھا لیکن میں بچ کر نکل گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اگر میرا موقع لگ جاتا تو میں قتل کر دیتا تجھے چھوڑ کر آگے نہ بڑھتا۔ (سیرۃ ابن ہشام، تفسیر انوار البیان)

غزوہ بدر کے موقع پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ جب مشرکین اور مسلمین کا آمنا سامنا ہوا تو مشرکین مکہ نے با قاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے شخصی مقاتلہ اور مقابلہ کے لئے دعوت دی اس پر حضرات انصارؓ میں سے تین آدمی آگے بڑھے۔ مشرکین مکہ نے کہا تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم انصار میں سے چند آدمی ہیں! وہ کہنے لگے ہمیں تمہاری کوئی حاجت نہیں ہمارے بنی عم یعنی چچاز اد بھائیوں کو ہمارے سامنے لاؤ اور زور سے پکار کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہماری قوم میں سے ہمارے برابر کے لوگ مقابلہ کے لئے بھیجئے، آپ نے حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کو مقابلہ میں آنے کا حکم دیا آپس میں مقابلہ ہوا تو حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے عتبہ پر اور عتبہ نے حضرت عبیدہؓ پر حملہ کیا ہر ایک کی ضرب سے ایک دوسرا نیم جان ہو گیا اور حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو قتل کر دیا پھر ان دونوں حضرات نے عتبہ کو بھی قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر لے آئے پھر ان کی روح پرواز کر گئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " اشھد انک شھید" میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۷۳: ج۳)

یہی لوگ ہیں جن کو صحابہؓ کہا جاتا ہے، جن کے دلوں پر اللہ نے ایمان لکھ دیا تھا، ان کی تائید و مدد اپنی روح سے کی تھی، یہی لوگ ہیں جن کو اللہ جنتوں میں بھیجے گا، یہ لوگ ہمیشہ جنتوں میں رہیں گے، ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور یہ لوگ اللہ سے راضی ہوئے، یہ لوگ خدائی لشکر ہیں، ایسا خدائی لشکر ہیں جس کے مقدر میں اللہ نے کامیابی اور کامرانی لکھ دی ہے۔

یہی وہ لشکر جرار تھا جس نے صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا تھا، جس نے نوع انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کیا تھا، یہی وہ لشکر رحمانی تھا جس نے کعبہ کو اپنی جبینوں سے بسایا تھا، یہی وہ حزب اللہ تھا جس نے اپنے سینوں کے سفینوں میں کتاب اللہ کو محفوظ کیا تھا، یہی وہ لشکر تھا جس نے دشت و صحرا اپنے پاؤں تلے روند ڈالے تھے، یہی وہ لشکر تھا جس نے بحر ظلمات میں گھوڑے ڈال دیے تھے، یہی وہ لشکر جرار تھا جو تخت ہائے شاہی کے پائیدانوں سے اپنے گھوڑوں کی لگامیں باندھ دیتا تھا، یہی وہ لشکر جرار تھا جو دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا۔

## صحابہ کرامؓ بہترین مخلوق

رحمت دوعالم ﷺ کے جانثار، وفادار، اطاعت شعار، خدمت گزار صحابہؓ کو اللہ نے ساری مخلوق سے بہترین قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾البينه

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ بیشک ساری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ ان کے پروردگار کے پاس ان کا انعام، وہ سدا بہار جنتیں ہیں جن

کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہوگا اور وہ اس سے خوش ہوں گے۔ یہ سب کچھ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار کا خوف دل میں رکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں بنی نوع انسان کو کرامت اور فضیلت عطا فرمائی ہے، ساری مخلوق اس انسان کے لیے پیدا فرمائی ہے جب کہ اسے اپنے لیے تخلیق فرمایا ہے، اسے اپنی معرفت، اپنی محبت، اپنے قرب اور اپنی بزرگی کے لیے خاص فرمایا ہے، یہ فضیلت کسی اور کو اس کے علاوہ عطا نہیں فرمائی، اپنے آسمانوں اور اپنی زمینوں میں جو کچھ پیدا فرمایا وہ اس انسان کے لیے مسخر اور تابع کیا، یہاں تک کہ فرشتے بھی اس کے کام میں لگا دیے، جو اللہ کے مقربین میں سے ہیں، انہیں انسانی خدمت پر مامور فرمایا، فرشتوں کو انسان کی بیداری، نیند، کوچ اور اقامت کے زمانے میں اس کی حفاظت پر مامور فرمایا۔

انسانوں میں سے اللہ نے ایسے عظیم لوگوں کا انتخاب کیا جن کی طرف کتابیں بھیجیں تو فرشتوں کے ذریعے بھیجیں، انسانوں کو رسول بنایا اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا، انسانوں کو مخاطب بنایا جنہوں نے آگے دوسرے انسانوں کو مخاطب بنایا، انسانوں میں سے اس نے اپنے خلیل بنائے، کلیم بنائے، ولی بنائے، خواص بنائے اور علماء بنائے، ان کو اپنے رازوں کے خزینے بنایا، اپنی حکمت کا محل بنایا، انہیں اپنی محبت کا مقام بنایا، ان کے لیے جنت اور دوزخ پیدا فرمائی، انہیں احکامات دیے، ان کے لیے ثواب و عذاب بنایا، اس سب کا مدار اور محور نوع انسانی ہے۔

انسان مخلوق کا لب لباب اور خلاصہ ہے، امر و نہی سے مقصود یہی ہے، اسی امر و نہی پر اسے ثواب و سزا ملے گی۔

انسان ہی وہ مخلوق ہے جو ساری مخلوقات میں ایک شان رکھتا ہے، اس کے باپ آدم کو اللہ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا، رب تعالیٰ نے اس میں اپنی روح پھونکی، اسے فرشتوں سے سجدہ کروایا، اسے ہر چیز کے اسماء سکھائے، اس کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر فرمائی، ابلیس کو اپنے قرب سے دھتکارا، اپنے دروازے سے اسے دور کیا، کیونکہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ نہیں کیا تھا اسے رب نے اپنا دشمن ٹھہرایا۔

نوع انسانی میں مومن ہی وہ مخلوق ہے جسے بہترین مخلوق قرار دینے کے لیے قرآن کریم نے یہاں خیر البریہ فرمایا، اہل ایمان علی الاطلاق بہترین مخلوق ہیں، اللہ نے انہیں جہانوں میں چن لیا ہے، اللہ نے انہیں پیدا فرمایا ہے تاکہ اپنی نعمت ان پر مکمل فرمائے، اور اپنے احسانات کی بارش ان پر فرمائے، تاکہ اس پر اپنی بزرگی اور فضیلت کی نوازشات کرے جو اس کی امیدوں میں بھی نہیں تھیں، اس کے دل پر ان کا خیال تک نہیں گزرا تھا، جنہیں وہ جانتا بھی نہیں تھا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اور جیسا کہ سورۃ تین میں ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین ساخت اور نہایت اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر یہ اپنی قدر پہچان لے تو یہ خیر البریہ ہے، خدا کی مخلوقات میں کوئی اس کے برابر کا نہیں اور اگر یہ اپنی حقیقی قدر و قیمت سے بے خبر رہ کر زندگی گزارے تو یہ شر البریہ اور ردد نہ اسفل سافلین کا بالکل صحیح مصداق ہے پھر یہ اتنی پستی میں گرتا ہے جو صرف اسی کے لئے خاص ہے۔ خدا کی کوئی اور مخلوق اس پستی تک نہیں گرتی جس طرح انسان کے عروج کی کوئی حد نہیں ہے اسی طرح اس کے زوال کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ (تدبر قرآن)

میں یہاں تفاضل کی بات نہیں عرض کروں گا کہ فرشتے افضل ہیں یا انسان، چونکہ اس پر عقائد کی کتابوں میں علماء کرام نے دلائل سے بات کی ہے، مگر میں اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ساری کائنات کی مخلوق میں نبی کریم ﷺ سب سے افضل ہیں، اعلیٰ اور بالا ہیں، ان کے بعد باقی انبیاء کرامؑ افضل واعلیٰ، بلند و بالا ہیں، انبیاء کرامؑ کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ ساری مخلوق سے افضل واعلیٰ، برتر و بالا ہیں، حضرت ابوہریرہؓ جیسے انسان نے مؤمن کو فرشتوں سے افضل قرار دیا ہے، خود رب العالمین نے یہاں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو ساری مخلوق سے بہترین اور افضل قرار دیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کیوں نہ خیر البریہ قرار پائیں؟ یہ وہ لوگ تھے جو کبر و غرور کی آلائشوں سے پاک و منزہ تھے، ان کے دلوں میں ایمانی جذبات مچلتے تھے، اسی لیے انہوں نے دوسروں کی طرح کبر و غرور سے کام نہیں لیا بلکہ عجز و مسکینی سے نبی عربی ﷺ کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں لٹکالیا تھا، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبان فیضِ ترجمان سے جب حق کی دعوت سنی تو لبیک لبیک کہتے ہوئے حلقہ بگوش اِطاعت ہو گئے تھے، وہ اللہ کے رسول کا کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، پھر ایمان کے بول بولتے اور سنتے ہوئے ایمانی جذبات بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

صحابہؓ اللہ کی کتاب پر ایمان لائے، صحابہؓ نے نیک اعمال کیے، بلکہ قابل رشک اعمال کیے، انہی کو بہترین خلائق کے لیے خطاب کیا گیا، چونکہ نزول قرآن کریم کے وقت یہی لوگ سامنے تھے، ان کے ایمان کا تقاضا تھا کہ اعمال صالحہ اختیار کرتے، عبادت گزاری کرتے، احکام خداوندی کی پاسداری کرتے، نواہی سے بچتے، جنت کی طرف بڑھتے اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال سے کوسوں دور رہتے، چنانچہ

انہوں نے صبح وشام اپنے رب کو راضی کرنے میں گزارے، ایک ایک لمحہ اور ثانیہ رب سے ڈرتے ہوئے گزارا، تو اللہ نے انہیں جنت عطا کرنے کا اعلان فرمایا، اس جنت کی صفات بھی بیان فرمادیں اور انہیں پروانہ رضا بھی عطا فرمایا، رب جس سے راضی ہوتا ہے پھر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔

ان کے اعمال صالحہ کی جزا اللہ کے پاس ہے، اللہ سخیوں کا سخی ہے وہ صحابہ کرامؓ کی شایانِ شان انہیں عطا نہیں فرمائے گا بلکہ وہ اپنی شایانِ شان انہیں بدلہ اور اجر عطا فرمائے گا، اللہ کی طرف سے ملنے والی جزا میں سے ان صحابہ کرامؓ کے لیے جنت عدن ہے، جس کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہیں، باقی رب العالمین بہتر جانتا ہے کہ انہیں اور کیا کچھ ملنے والا ہے۔

پھر صحابہ کرامؓ کو جو جنت ملنے والی ہے وہ کوئی محدود عرصہ کے لیے نہیں ہوگی بلکہ وہ ابدالآباد تک یہاں رہیں گے، یہ ان کی مہمانی کی جگہ ہے، یہاں سے انہیں کسی اور جگہ پر نہیں جانا ہوگا۔

دنیا میں بھی رب تعالیٰ ان سے راضی تھا اور یہ رب کی رضا پر راضی تھے، جنت میں جب اللہ کی طرف سے سوال ہوگا کہ اے اہل جنت! تمہیں کچھ اور چاہیے تو یہ کہیں گے کہ اے رب العالمین! ہمیں سب کچھ مل چکا ہے، کچھ نہیں چاہیے تو اس وقت بھی رب العالمین کے طرف اعلان ہوگا کہ میں تم سے راضی ہوگیا ہوں کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا، یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ دارالامتحان میں اللہ سے ڈرتے رہے، اس کی مان کر چلتے رہے، اس کے احکامات کی پابندی کرتے رہے، اس لیے رب نے ان سب سے جنت کا وعدہ فرمایا تھا۔

## صحابہؓ کے لیے مغفرت اور اجر عظیم

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، قرآن کریم کی سورۃ الفتح کے آخر میں ارشاد ہے

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾

یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کر لیا ہے۔

تمام صحابہ کرامؓ ایمان والے تھے، قرآنی آیات شہادت دے رہی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پیروکار، رضاکار، اطاعت شعار سب ہی ایمان والے تھے، ایمان کے جامع تھے، صحابہؓ ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بجالانے والے لوگ تھے، ان کے نیک اعمال کے تذکروں سے نہ صرف یہ کہ قرآن کریم بھرا ہوا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ بھی جابجا ان کے کارناموں اور نیک اعمال کے بارے میں موجود ہیں، انہیں ان کے ایمان وایقان اور نیک اعمال کے صلے میں اللہ تعالیٰ بخشش کا اعلان فرما رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرما رہے ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ یہاں اجر عظیم کے تحت فرماتے ہیں کہ اللہ انہیں ثواب جزیل اور رزق کریم عطا فرمائے گا۔

اللہ کا وعدہ حق اور سچ ہوتا ہے وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تبدیلی رونما ہوتی ہے، جو لوگ صحابہؓ کرام کے نقش قدم پر گامزن ہوں گے ان کے لیے بھی یہ جزا ہے، صحابہ کرامؓ ایسے فضل وکمال کے مالک ہیں کہ امت میں سے کوئی ان کے اس مقام کو پا نہیں سکتا۔

# صحابہ کرامؓ کا رتبہ بلند ترین

صحابہ کرامؓ کا مقام و مرتبہ اللہ کے ہاں بلند ترین ہے، وہ خود کامیاب ترین لوگ تھے، انہیں اللہ نے اپنی رحمت کی بشارت سنائی، انہیں اپنی رضا کا مستحق ٹھہرایا، انہیں جنتوں کا حق دار گردانا، انہیں ہمیشہ کی نعمتوں کا مستحق ٹھہرایا،، یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ﴿٢١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾توبہ

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی ہے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے، وہ اللہ کے نزدیک درجے میں کہیں زیادہ ہیں، اور وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کا پروردگار انہیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی کی، اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس عظمت والا اجر موجود ہے۔

مشرکین مکہ خانہ کعبہ کی جاروب کشی کرتے تھے، اس کی حفاظت کرتے تھے، حجاج کو پانی پلاتے تھے، ان کی خدمت کرتے تھے، پھر سمجھتے تھے کہ ہم بڑا کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی شان بیان کی، ان کے ایمان، ان کی ہجرت، ان کے جہاد فی سبیل اللہ، ان کا راہ حق میں مال لٹانا، ان کا راہِ حق میں اپنی جان لٹانے کے لیے ہتھیلی پر رکھنا زیادہ محبوب ہے،

اس لیے تو ان لوگوں کو اپنے ہاں بڑا درجہ اور مقام عطا فرمایا ہے، پھر صرف درجہ اور مقام ہی انہیں نہیں ملا بلکہ کامیابی، کامرانی اور فوز و فلاح کی نوید جانفزا بھی انہیں سنا دی۔

صحابہ کرامؓ کو اپنی رحمت اور خوشنودی کا مژدہ جانفزا بھی سنا دیا، ان لوگوں کی مہمانی کی جگہ جنت قرار دی، گویا جنت ان کی جاگیر ہے، اس جنت میں ہمیشہ ہمیش رہنے والی نعمتیں ان کے لیے ہیں، جنت بھی ہمیشہ رہے گی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں

اس کے یہاں ثواب اور درجات کی کیا کمی ہے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے۔ پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا۔ ایمان، جہاد، ہجرت، ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی۔ رحمت، رضوان، خلود فی الجنۃ۔

ابو حیان نے لکھا ہے کہ "رحمت" ایمان پر مرتب ہے، ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا اور "رضوان" (جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے) جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی حظوظ و تعلقات ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان و مال نثار کرتا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے۔ لہذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہیے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضاء کا مقام ہے۔

باقی "ہجرت" وہ خدا کے لیے وطن مالوف اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لیے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا۔ جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش و راحت سے رہنا ہو گا جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

## صحابہ کرامؓ کے دلوں میں باہمی الفت

حضرات صحابہ کرامؓ کا ماضی کچھ اس طرح کا نہ تھا جو قابل ستائش و قابل رشک ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی باہمی کشاکش، باہمی عداوت کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے دلوں میں الفت پیدا کرنے کا ذکر فرمایا، باہمی عداوت کے خاتمہ اور الفت کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمت قرار دے رہے ہیں، اللہ کی نعمت کے طفیل ہی بھائی چارہ، یگانگت اور اتفاق کی فضائیں پیدا ہوئیں۔ ارشاد فرمایا

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾آل عمران

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر ہے جبکہ تم دشمن تھے سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمادی لہٰذا تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

یہ اشارہ ہے اس حالت کی طرف جس میں اسلام سے پہلے اہل عرب مبتلا تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتیں بات بات پر ان کی لڑائیاں، اور شب و روز کے کشت و خون، جن کی بدولت قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست و نابود ہو جاتی۔ اس آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے، اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت سب دیکھ رہے تھے کہ اوس اور خزرج کے وہ قبیلے، جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، باہم مل کر شیر و شکر ہو چکے

تھے، اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایثار و محبت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔ (تفہیم القرآن)

باہمی عداوت ود شمنی ختم ہوئی، اللہ نے ان کے دلوں میں محبت والفت ڈال دی، پھر یہی لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ایک دوسرے کی خاطر خون بہانے والے بن گئے، ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرنے والے ایک دوسرے کے حقوق کے پاسبان و محافظ بن گئے، اللہ نے اسی الفت و محبت کو اپنی نعمت قرار دیا، کیونکہ انسانی دل اللہ کے قبضہ میں ہیں، وہ جدھر چاہتا ہے انہیں موڑتا اور پھیرتا ہے، جب اللہ نے ان میں ترحم کے جذبات پیدا کیے تو ان کی اس صفت کو رحماء بینھم قرار دیا کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر کی طرح ہیں، پہلے جو جلال وغصہ ایک دوسرے پر ظاہر کرتے تھے اب دولت اسلام، رحمت پیغمبر کے باعث دشمنوں پر ظاہر کرتے ہیں۔

رحمت عالم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل عرب کے جزیرہ نما کی کیا حالت تھی۔ وہ آپس میں انس و محبت اور شفقت ورحمت کرنے والے انسانوں کا ملک نہیں تھا بلکہ ایک کوہ آتش فشاں تھا جس سے ہر لحظہ اور ہر لمحہ بغض وعناد کی آگ برستی رہتی تھی اور دور دور تک آبادیاں جل کر خاکستر ہو جایا کرتی تھیں۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرپیکار تھا۔ ہر علاقہ دوسرے علاقہ سے جنگ آزما تھا۔ جذبات اتنے مشتعل اور بے قابو تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہہ جایا کرتی تھیں۔ ایک بار اگر جنگ کی آگ سلگ پڑتی تھی تو صدیوں تک اس کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ اوس و خزرج میں لڑائی کا سلسلہ ایک سو بیس سال تک جاری رہا۔ کسی کی جان، کسی کا مال

محفوظ نہ تھا۔

یہاں تک کہ اسلام کا بادل آیا اور رحمت خداوندی بن کر برسا۔ حضور ﷺ سراپا نور و سرور کا ظہور ہوا تو عرب کے اجڑے دیار میں بہار آگئی۔ عداوت کی جگہ محبت نے، وحشت کی جگہ انس نے، انتقام کی جگہ عفو نے، خود غرضی کی جگہ اخلاص وایثار نے اور غرور و تکبر کی جگہ تواضع وانکسار نے لے لی۔

یہ وہ انقلاب تھا جس نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ جس کی برکت سے عرب کے صحرا نشینوں نے تاریخ عالم کا رخ موڑ دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اسی احسان عظیم کی یاد تازہ کرا رہا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی برکت اور فیض نگاہ سے تمہارے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیئے اور تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور ذلت و رسوائی کی پستیوں سے نکال کر ترقی و عزت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔

تم دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے۔ بس آنکھ بند کرنے کی دیر تھی اور تم اس گڑھے میں گر پڑتے۔ لیکن رحمت الٰہی نے تمہاری دستگیری کی اور تمہیں آتش جہنم میں گرنے سے بچالیا۔ ان احسانات کو یاد کرو اور یاد رکھو۔ اور اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور اپنی صفوں میں انتشار کو جگہ نہ دو۔

اس آیت کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کرام ہیں۔ اور ان کے متعلق ہی خدائے بصیر و خبیر فرما رہا ہے کہ میں نے ان کے دل جوڑ دیئے۔ انہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ ان کو دوزخ سے نکال لیا۔ (ضیاء القرآن)

اس طرح کے واقعات اور احوال بیان کرنے اور ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان رشد وہدایت پائیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کھول کھول کر یہ باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو واضح سمجھ میں آجائیں۔

## صحابہ کرامؓ پر احسان عظیم

اللہ تعالٰی نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر سارے عالم پر عموماً اور صحابہ کرامؓ پر خصوصاً احسان عظیم فرمایا ہے، جس کا ذکر اللہ تعالٰی اپنی کتاب قرآن کریم میں یوں فرمارہے ہیں

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۱۶۴﴾آل عمران

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک المؤمنین سے مراد ہیں صرف حضور ﷺ کے خاندان (قریش) کے مؤمن کیونکہ نعمت بعثت اگرچہ تمام مؤمنوں کے لیے عمومی ہے لیکن قریش کو زیادہ فائدہ حاصل ہوا اور حضور ﷺ کی ذات سے خصوصی بزرگی ملی۔ اس لیے قریش پر یہ اللہ کا خصوصی احسان تھا کہ ان میں سے اللہ کا پیغمبر مبعوث ہوا۔ رسول اللہ نے فرمایا: کہ لوگ قریش کے تابع ہیں (عام) مؤمن قریشی مؤمنوں کے اور (عام) کافر قریشی کافروں کے۔ (تفسیر مظہری)

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس آیت کے مخاطبین اولین بھی حضرات صحابہ کرامؓ ہیں، اس کا مصداق وہی لوگ ہیں جو مکہ میں ایمان لائے، جو شرف صحابیت سے فیضیاب ہوئے، انہی میں عظیم الشان رسول بھیجا گیا، جو پیغمبر کے اندازِ گفتگو کو سمجھتے

ہیں، جو پیغمبر کے لب ولہجہ سے آشنا ہیں، جو رسول کریم ﷺ کی زبان سمجھتے ہیں، ان کے نشیب و فراز سے آگاہ ہیں، ان کے اِشارے اور کنائے سے آگاہ ہیں، جو ان کی منشاء اور منہج کو سمجھتے ہیں۔

جب رسول کریم ﷺ ان کے سامنے قرآنی آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ اچھی طرح سمجھ رہے ہوتے ہیں، کہیں کوئی بات انہیں سمجھ نہ آئے تو عظیم الشان رسول انہیں اچھی طرح تفسیر فرما کر سمجھا بھی دیتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ ان کے سامنے صرف الفاظ قرآنی کی تلاوت ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں کی صفائی بھی کرتے ہیں، قرآنی الفاظ نورانی ہیں، اس نور کو رکھنے کے لیے جس برتن کی ضرورت ہے اس برتن کو مانجھنا اسے صاف کرنا، اسے پاکیزہ بنانا بھی رسول عظیم ﷺ کا فرض منصبی ہے، دلوں کی میل کچیل نکال کر دلوں کو اجلا اور ستھرا بنا دیتے ہیں۔

رسول عظیم ان عظیم الشان صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم کی تعلیم بھی دیتے ہیں، قرآن کریم میں کیا کچھ بیان کیا گیا ہے، اس میں سابقہ انبیاء کرامؑ کے احوال و واقعات کا بیان ہے، عبرت آموز باتیں ہیں ان سب کی تعلیم رسول کریم ﷺ انہیں دیتے ہیں، جن چیزوں سے یہ ناآشنا اور کورے ہیں وہ باتیں نبی کریم ﷺ انہیں اسی قرآن کریم کی روشنی میں سکھاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ حکمت کی تعلیم بھی نبی کا فرض منصبی ہے، حکمت سے مراد یہاں سنت نبوی ہے، جس سے صحابہ کرامؓ کو روشناس کروایا جاتا تھا۔

یہ لوگ جن کو صحابہ کرامؓ کہا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے، قرآن کریم کے نزول سے پہلے، تزکیہ نفوس سے پہلے راستہ سے بھٹکے ہوئے تھے۔

# صحابہ کرامؓ کے خصائل حمیدہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس قدسی صفات جماعت کی مدح وستائش کرتے ہوئے سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ «۷۱» وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ «۷۲»

اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے وعدہ کیا ہے ان باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان پاکیزہ مکانات کا جو سدا بہار باغات میں ہوں گے۔ اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو سب سے بڑی چیز ہے۔ (جو جنت والوں کو نصیب ہوگی) یہی تو زبردست کامیابی ہے۔

سورت توبہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی بہت سی شرارتوں کو آشکار کیا ہے، ان کے مقابلے میں صحابہ کرامؓ کی مدح سرائی کی گئی ہے، منافقین کا کام یہ ہے کہ وہ برائی کے کاموں میں مدد کے لئے اور نیکیوں کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالنے اور اس کی روک تھام کے لئے اپنی تمام تر طاقتیں لگادیتے ہیں جب کہ حضرات صحابہ کرامؓ نیکی کے کاموں میں مدد کے لئے اور برائیوں کی روک تھام اور انسداد میں اپنی توانائیاں لگا

دیتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ خود بھی اور دوسرے بھی نیکیوں میں آگے بڑھتے چلے جائیں۔ انہیں گناہوں سے نفرت اور نیکیوں اور نیک کام کی توفیق مل جائے۔

صحابہ کرامؓ کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ اللہ کی طرف سے صاحب نصاب لوگوں پر فرض کی گئی ہے، جو زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا وہ گناہ گار ہوگا۔

صحابہ کرامؓ کی یہ پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں۔

اس کا صلہ اور انعام ان کے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ایسی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہیں، یہ ان جنتوں میں ہمیشہ اقامت پذیر رہیں گے، ان حضرات کے لیے عمدہ مکان ہوں گے جن میں وہ رہیں گے۔ اور یہ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہاں ان کے لیے باغوں کا ذکر فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ پھر عمدہ مکانوں کا تذکرہ فرمایا جو ان باغوں میں ہوں گے اور عدن کی طرف ان باغوں کی اضافت فرما کر یہ بتادیا کہ یہ باغ واقعی رہنے کی جگہیں ہیں۔ جہاں سے نہ کبھی منتقل ہونا چاہیں گے اور نہ انہیں وہاں سے منتقل کیا جائے گا۔ اللہ کی طرف سے ان کے لیے بڑی خوشنودی اور رضامندی ہے، یہ ان کے لیے بڑی کامیابی اور کامرانی ہے۔

فَضَائِل
صَحَابَہ کرَام
قُرآنِی آیَات کِی رَوشنِی مَیں

ازقلم

شیخ الحدیث والتفسیر
حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی عباسی صاحب حفظہ اللہ
مہتمم جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

# صحابہؓ کی جانوں کا بدلہ جنت

**محمود الرشید حدوٹی**

صحابہ کرامؓ کا اپنے رب سے بڑا مضبوط رشتہ تھا، اللہ نے ان کی جانیں، ان کے قیمتی اموال جنت کے بدلے میں خرید لیے تھے، وہ راہ حق میں مردانہ وار دشمنان اسلام سے بھڑ جاتے تھے، میدان حرب وضرب میں مثالی لڑائی لڑتے تھے، وہ راہ حق میں جانفشانی اور بہادری سے لڑتے ہوئے بالآخر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیتے تھے، ان کی اس بہادری، دلیری، جرأت، شجاعت اور بسالت کی داستانیں صرف قرآن کریم ہی میں مرقوم نہیں ہیں بلکہ ان کی ان جرأتوں اور بہادریوں کی داستانیں تورات وانجیل کے صفحات پر بھی نمایاں دکھائی دیتی ہیں، پھر رب تعالیٰ نے ان سے جو وعدہ جنت فرمایا اس کی گواہی سابقہ کتب آسمانی بھی دے رہی ہیں، قرآن کریم میں حضرات صحابہ کرامؓ کی اسی بسالت وبہادری، جانفشانی وشجاعانہ کردار کا تذکرہ فرمایا گیا، ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا، اس وعدے کا ذکر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی سچی کتاب میں یوں بیان فرمایا ہے

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾التوبہ

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے بدلے خرید لیے ہیں کہ جنت انہی کی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، جس کے نتیجے

میں مارتے بھی ہیں، اور مرتے بھی ہیں۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی لی ہے، اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ لہذا اپنے اس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کر لیا ہے۔ اور یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔

جب حضرات انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے (جو ستر افراد تھے) تو عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اپنے رب کے لیے اور اپنے لیے جو چاہیں مشروط فرما لیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے اس بات کو مشروط کرتا ہوں کہ اس کی عبادت کرو گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے اور اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جیسی اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔

انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی۔ کہنے لگے کہ یہ تو نفع کا سودا ہے ہم اس معاملہ کو فسخ (توڑیں گے نہیں) نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ جان اور مال سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے پھر بھی اس نے نام خریداری رکھ دیا۔ اگر وہ جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور اس کی راہ میں شہید ہو جانے پر کچھ بھی عطا نہ فرماتا تو اسے اس کا حق تھا۔ لیکن اس نے اپنی راہ میں جان و مال خرچ کرنے پر جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرما لیا اور ذرا سی قربانی پر بہت بڑی جنت دینے کا وعدہ فرما دیا۔ یہ اعلان سچا ہے اور وعدہ پکا ہے۔

# صحابہ کی صفاتِ عاجزانہ وعابدانہ

میدان کارزار میں شجاعت وبسالت کی انمٹ داستانیں رقم کرنے والوں، اللہ اور رسول اللہ کے لیے اپنی جانیں دینے والوں کی قابل رشک داستانیں قرآن کریم قیامت کے قیام تک سناتا اور بتاتا رہے گا، ان کی عاجزانہ، عابدانہ، زاہدانہ صفات کا بھی اللہ کی عظیم الشان، لاریب کتاب قرآن کریم میں تذکرہ یوں کیا گیا ہے، فرمایا

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ

(جن کی جانوں اور مالوں کے بدلے اللہ نے جنت کا سودا کیا یہ لوگ ) توبہ کرنے والے ! اللہ کی بندگی کرنے والے ! اس کی حمد کرنے والے ! روزے رکھنے والے ! رکوع میں جھکنے والے ! سجدے کرنے والے ! نیکی کی تلقین کرنے والے، اور برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے، (اے پیغمبر) ایسے مومنوں کو خوشخبری دے دو۔ (سورۃ التوبہ ۱۱۲)

یہ صحابہ کرام کی عاجزانہ، عابدانہ، زاہدانہ اور تقویٰ وللہیت سے بھرپور صفات ہیں، کہ یہ کسی انسانی کمزوری کے باعث ہونے والی لغزشوں اور خطاؤں پر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے والے ہیں، عبادت گزاری کے ساتھ رب کی تعریف وثناء سے رطب اللسان دکھائی دینے والے ہیں، روزے دار، رکوع اور سجدہ گزار ہیں، نیکی کے دائی اور برائی سے روکنے والے ہیں، اس کے ساتھ اللہ کی حدود کے محافظ وپاسبان ہیں، انہیں جنت کے سوداگروں کے لیے جنت کی بشارت سنادیجیے۔

# صحابہ کرام کی تجارت

مال ودولت کی ریل پیل کے باعث دنیا اپنے پروردگار اور پالنہار سے غافل ہو جاتی ہے مگر رحمت دوعالم ﷺ کے تربیت یافتہ حضرات صحابہ کرامؓ کی اپنے رب سے محبت کا یہ عالم تھا کہ انہیں ان کی تجارتی سرگرمیاں کسی بھی صورت میں اپنے رب سے غافل نہیں کرتی تھیں، وہ صبح وشام اپنے رب کے گھروں کو آباد رکھتے، اللہ کے نام کی تسبیحیں کرتے، یادِ خدا میں مشغول رہتے، نمازیں قائم کرتے، زکوٰتیں ادا کرتے اور روز محشر کی ہنگامہ خیزیوں سے ڈرتے رہتے تھے، ان لوگوں کو ان کا پرُوردگار وہ انعامات دے گا جن کا اس نے قرآن کریم میں جگہ جگہ وعدہ فرمایا ہے، بلکہ وہ اپنی شایانِ شان اس سے اوپر اور مزید بھی عطا فرمائے گا، اللہ کے خزانے لا متناہی ہیں، وہ بے حد وحساب عطا فرمائے گا۔ ارشاد ہے

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ نور

ان (مسجدوں) میں صبح وشام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں۔ جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور نگاہیں الٹ پلٹ کر رہ جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے گا، اور اپنے فضل سے مزید کچھ اور بھی دے گا اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

صحابہؓ کے ایمان جذبات اور ایمانی مناجات کا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ یوں ذکر فرمارہے ہیں کہ وہ لوگ اپنے گناہوں کی معافی کی التجائیں کرتے ہیں، وہ لوگ دوزخ کے عذاب سے بچنے کی فریادیں کرتے ہیں، حالانکہ یہ پاک دل و پاکباز وہ لوگ ہیں جن کے لیے جگہ جگہ قرآن کریم میں رضاخداوندی کا اعلان ہو چکا ہے، ان کے لیے جنت کے وعدے ہو چکے ہیں، ان کو رضا کے پروانے اور جنت کی بشارتیں مل چکی ہیں، ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کو زبان رسالت مآب سے نام لے لے کر جنت کی بشارتیں سنائی گئی ہیں، مگر وہ اس سب کچھ کے باوجود اپنے رب سے تعلق گہرا بنانے اور اس کے قرب مکانی کی تلاش میں التجائیں اور زاریاں کرتے نہیں تھکتے، ارشاد ہے

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں، اب ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے۔ آلعمران

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسول ﷺ پر ایمان لائے، ہمارے اس ایمان کے باعث جو تیری ذات اور تیری شریعت پر ہے تو ہمارے گناہوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے۔

صحابہ کرامؓ کی اعلیٰ اور عمدہ، خوبصورت اور حسین صفات کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ وہ کس شان کے مالک تھے، ارشاد فرمایا

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ

یہ لوگ بڑے صبر کرنے والے ہیں، سچائی کے خوگر ہیں، عبادت گزار ہیں (اللہ کی خوشنودی کے لیے) خرچ کرنے والے ہیں، اور سحری کے اوقات میں استغفار کرتے رہتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۷)

صبر کا معنیٰ ہے ہر وہ ناگوار اور ناپسندیدہ چیز جس کو برداشت کرنا، مشکل اور دشوار ہو اس کو برداشت کرنا، اس آیت میں صبر کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں مشقت کو برداشت کرتے ہیں، حرام کاموں کے ارتکاب سے اپنے آپ کو روکتے ہیں۔

جن کی نیتوں میں صدق اور اخلاص ہے۔ جن کے دل ایمان پر ثابت قدم ہیں جو ہر وقت سچ بولتے ہیں، خلوت اور جلوت میں اللہ کے فرمانبردار ہیں اور رات کے آخری پہر اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔

قانتین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی عبادت پر کمربستہ رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر پناہ مانگتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرض، واجب اور مستحب ہر قسم کے صدقات ظاہر اور خفیہ ہر طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔

یہاں " قانتین "،یعنی اطاعت گزاروں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر استغفار کرتے ہیں، اس میں یہ نکتہ ہے کہ بندے سے وہ استغفار مطلوب ہے جو ترک معصیت اور اعمال صالحہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور اگر انسان اپنی معصیت پر برقرار رہے اور خالی زبان سے استغفار کرتا رہے تو اس کا یہ استغفار کافی نہیں ہے، کیونکہ وہ شخص جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اور زبان سے استغفار کرتا رہے تو وہ گویا اپنے رب سے ٹھٹھا کر رہا ہے۔

استغفار کے لئے رات کے آخری حصہ کی تخصیص کی گئی ہے کیونکہ اس وقت سکون اور سناٹا ہوتا ہے اور بندہ خدا کے سامنے جو آہ وزاری اور نالہ وفریاد کرتا ہے اسے دیکھنے والا کوئی تیسرا نہیں ہوتا' نیز یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی بندوں پر خصوصی توجہ ہوتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سحر کے وقت رات کی ظلمت جارہی ہوتی ہے اور صبح کا نور آرہا ہوتا ہے اور ظلمت کے مقابلہ میں نور اس طرح ہے جس طرح موت کے مقابلہ میں حیات ہوتی ہے اور یہ عالم کبیر کی حیات ہے اور انسان عالم صغیر ہے جب وہ سحری کے وقت اٹھتا ہے تو نیند کے بعد اس کی بیداری بھی موت کے بعد بہ منزلہ حیات ہے اور یہ وقت ہے جب انسان کے دل میں اللہ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت انسان بہت میٹھی نیند آتی ہے اور اس کا انتہائی میٹھی نیند کو چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لئے کھڑا ہو جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ سے انتہائی محبت کرنے والا اور اس کا بہت اطاعت گزار ہے اس لئے اس وقت استغفار کرنے والوں پر اللہ بہت مہربان ہوتا ہے۔(تبیان القرآن)

یہ تمام اعلیٰ صفات ایمانی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کی نشانی تھیں، ان میں یہ صفات بدرجہ اتم اور بدرجہ اولی پائی جاتی تھیں۔

صحابہ کرامؓ کی تھوڑی تعداد کو دیکھ کر کافروں کے حوصلے بلند ہوتے تھے، وہ ان پر مظالم کے پہاڑ ڈھاتے تھے، انہیں مشکلات سے دوچار کرتے تھے، کسمپرسی، قلت تعداد، بے سر و سامانی اور مال و دولت کے فقدان کے باوجود صحابہ کرامؓ کی اس تھوڑی تعداد نے اپنے جوہر ہائے شجاعت دکھائے، ہر میدان میں ایک روشن اور تابناک تاریخ اپنے خون کی رنگینی سے رقم کی، پھر ان کی قربانیوں، مجاہدوں، حوصلوں اور صبر آزما، جانگسل وادیاں عبور کرنے کے بعد رب تعالیٰ نے ان پر فتوحات کے دروازے کھول دیے، ان کی تعداد کئی گناہ اس وقت بڑھ گئی جب اللہ نے انہیں اپنے وعدے کے مطابق فتح و نصرت سے نوازا، مکہ، طائف ، یمن اور دیگر علاقوں سے قبیلوں کے قبیلے، گروہوں کے گروہ، جتھوں کے جتھے اور جماعتوں کی جماعتیں دین اسلام میں داخل ہونے لگیں، یوں اللہ نے صحابہ کرامؓ کی نئی کھیپ کی بدولت اسلام کو مزید شان و شوکت دی، قرآن کریم میں اسی پیش گوئی کا یوں ذکر فرمایا گیا

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ﴿١﴾ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴿٢﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾ سورۃ النصر

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت مانگو۔ یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔

# مہاجرین صحابہؓ کے مختلف درجات

صحابہ کرامؓ میں جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور پھر ہجرت کی اور پہلے والے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر شریک جہاد ہو گئے توان بعد میں آنے والوں کو بھی پہلے والوں کے ساتھ شامل کیا گیا، اگرچہ انہیں اولیت کی فضیلت وشان نہیں ملی، گوان کو ہجرت اول کی فضیلت حاصل نہیں مگر جب بعد میں اسلام قبول کیا، ایمان کی دولت مل گئی، ایمانی تقاضے پورے ہو گئے تو انہیں بھی ان پہلے والوں میں شمار کیا گیا، کیونکہ ایمان کی دولت جس طرح پہلے والوں کو نصیب ہوئی انہیں بھی نصیب ہو گئی، ایمان کی فضیلت سب کو ملی اگرچہ مراتب میں فرق ضرور رہے گا اور احکامِ میراث میں توسب برابر ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق نسبی رشتوں سے ہے افضل اور غیر افضل ہونے سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنۢ بَعۡدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمۡ فَأُولَئِكَ مِنۡكُمۡ

اور جنہوں نے بعد میں ایمان قبول کیا، اور ہجرت کی، اور تمہارے ساتھ جہاد کیا تو وہ بھی تم میں شامل ہیں۔ (سورۃ الانفال ۷۵)

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ مسلمان (صحابہ) بھی بالآخر ہجرت کر آئے تھے جنہوں نے شروع میں ہجرت نہیں کی تھی، اس آیت نے ان کے بارے میں دو حکم بیان فرمائے ہیں، ایک یہ کہ اب انہوں نے چونکہ وہ کسر پوری کر دی ہے جس کی وجہ سے ان کا درجہ مہاجرین اور انصار سے کم تھا، اس لئے اب وہ بھی ان میں شامل ہو گئے

ہیں،اور دوسرا حکم یہ کہ اب تک وہ اپنے ان رشتہ داروں کے وراث نہیں ہوتے تھے جو ہجرت کر چکے تھے اب چونکہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے ہیں،اس لئے اب ان کے وارث ہونے کی اصل رکاوٹ دور ہو گئی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ انصاری صحابہ کو ان مہاجرین کا جو وارث بنایا گیا تھا اب وہ حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ وہ ایک عارضی حکم تھا جو اس وجہ سے دیا گیا تھا کہ ان مہاجرین کے رشتہ دار مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے، اب چونکہ وہ آ گئے ہیں اس لئے میراث کا اصل حکم کہ وہ قریبی رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے، واپس آ گیا۔(آسان ترجمہ قرآن)

یہاں بعد میں ایمان لانے سے وہ صحابہ کرام مراد ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے بعد ہجرت کی اور اس ہجرت کا مرتبہ پہلی ہجرت سے کم ہے، حدیبیہ کے بعد دو سال تک صلح کا زمانہ رہا پھر مکہ فتح ہو گیا اور ہجرت بھی ختم ہو گئی۔ ہجرت کی تعریف یہ ہے در الکفر سے دار الاسلام کی طرف نکلنا یا دار الخوف سے دار الامن کی طرف نکلنا۔ جیسے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ یا حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

آیت میں مہاجرین کے مختلف طبقات کا حکم بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ ان میں بعض لوگ مہاجرین اولین ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض دوسرے درجہ کے مہاجر ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی اور اس کی وجہ سے ان کے اخروی درجات میں فرق ہوگا مگر احکام دنیا میں ان کا حکم بھی وہی ہے جو مہاجرین اولین کا ہے وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اسی لئے مہاجرین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا فَأُولٰٓئِكَ مِنكُمْ ۔یعنی یہ دوسرے درجہ کے مہاجرین بھی تمہارے ہی زمرہ میں شامل ہیں اس لئے وراثت کے احکام میں بھی ان کا حکم عام مہاجرین کی طرح ہے۔(تفسیر معارف القرآن للمفتی شفیعؒ)

# فتح مکہ سے پہلے اور بعد والے صحابہؓ

فتح مکہ سے قبل مال خرچ کرنے والے اور راہ خدا میں لڑنے والے صحابہ کرامؓ کی بہت ہی اونچی شان اور بلند مقام ہے، مگر بعد میں ایمان لانے والے، مال خرچ کرنے والے اور راہ خدا میں جان لڑانے والے سب صحابہ کرامؓ کے لیے جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى (الحدید۱۰)

تم میں سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا، اور لڑائی لڑی، وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں ہیں۔ وہ درجے میں ان لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا، اور لڑائی لڑی۔ یوں اللہ نے بھلائی کا وعدہ ان سب سے کر رکھا ہے۔

فتح مکہ میں ان دونوں طبقوں میں حد فاصل قرار دینے کی ایک بڑی حکمت تو یہ ہے کہ فتح مکہ مکرمہ سے پہلے سیاسی حالات اور اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے مسلمانوں کی بقاو فنا اور اسلام کے آگے بڑھنے پھیلنے یا بہت سی تحریکات کی طرح مردہ ہو جانے کے احتمالات ظاہر میں نظروں میں یکساں انداز سے گردش کرتے رہتے تھے، دنیا کے ہوشیار لوگ کسی ایسی جماعت یا تحریک میں شرکت نہیں کیا کرتے جس کے شکست کھا جانے یا ختم ہو جانے کا خطرہ سامنے ہو، انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں، جب کامیابی کے امکانات روشن ہو جائیں تو شریک ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ اگرچہ اس کو حق و

صحیح سمجھتے ہوں لیکن مخالفین کی ایذاؤں کے خوف اور اپنے ضعف کے سبب شرکت کرنے کی ہمت نہیں کرتے، لیکن باعزم وہمت لوگ جو کسی نظریہ اور عقیدہ کو صحیح اور حق سمجھ کر قبول کرتے ہیں وہ فتح وشکست اور جماعت کی قلت وکثرت پر نظر کئے بغیر اس کے قبول کی طرف دوڑتے ہیں۔(معارف القرآن)

فتح مکہ سے پہلے جو لوگ ایمان لائے ان کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اس کی وجہ سے مشرکین کی ایذاؤں کا سلسلہ تھا، خصوصاً ابتداء اسلام کے وقت ایمان کا اظہار کرنا اپنی جان کی بازی لگانے اور اپنے گھر بار کو ہلاکت کے لئے پیش کر دینے کے مترادف تھا، یہ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جنہوں نے اسلام قبول کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور پھر رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور دین کی خدمت میں اپنے جان ومال کو لگایا ان کی قوت ایمان اور اخلاص عمل کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔(معارف القرآن)

فتح مکہ (سن ۸ ھ) سے پہلے مسلمانوں کی تعداد اور ان کے وسائل کم تھے اور دشمنیاں زیادہ، اس لئے اس زمانہ میں جن حضرات نے جہاد کیا اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا ان کی قربانیاں زیادہ تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ثواب میں بھی ان کا زیادہ بڑادرجہ رکھا ہے اور فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور وسائل میں بھی اضافہ ہو گیا تھا، اور دشمنیاں بھی کم ہو گئی تھیں، اس لئے جن حضرات نے فتح مکہ کے بعد جہاد اور صدقات وغیرہ میں حصہ لیا ان کو اتنی قربانی دینی نہیں پڑی، اس لئے ان کا درجہ وہاں تک نہیں پہنچا؛ لیکن اگلے ہی فقرے میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ بھلائی یعنی جنت کی نعمتیں دونوں ہی کو ملیں گی۔(آسان ترجمہ قرآن)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو معیار حق قرار دیا،
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ

پھر (اے صحابہؓ!) اگر وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تب وہ ہدایت پر ہوں گے۔ (سورۃ البقرہ ۱۳۷)

یہ ہے وہ قرآنی آیت کریمہ جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو معیار حق اور معیار ایمان قرار دیا ہے، معیار کا معنیٰ کسوٹی اور ترازو ہے، جس پر کسی کا ایمان تولا جاسکتا ہے، جس پر کسی کے ایمان کو پرکھا جاسکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ اور مشرکین صحابہ کرامؓ جیسا ایمان لائیں گے تو ہدایت پائیں گے ورنہ وہ کسی صورت قابل قبول نہیں ہیں۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر انہوں نے رو گردانی کی تو یہ مخالفت اور بد بختی ہے۔ اور صحابہ کرام جب دوسروں کے لئے معیار ہیں تو وہ ثقہ، عادل، متقی اور پرہیز گار ہیں ان پر جرح نہیں ہوسکتی، ان پر اعتراض جائز نہیں ہے، وہ تنقید سے بالا ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور سنت اور معتمد لوگوں کے اجماع کے ظاہری الفاظ اور عبارتیں۔ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات صحابہ کرام تمام کے تمام عادل اور ثقہ ہیں۔ (مرقات شرح مشکوۃ المصابیح)

امام ابن اثیرؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں۔ ان پر جرح نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعدیل اور

پاکدامنی بیان فرمائی ہے اور جو حضرات عادل، ثقہ، ایمان اور عمل میں معیار ہیں، ان کی اتباع واجب ہے۔(اسد الغابہ)

شیخ الاسلام علامہ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع واجب الاتباع ہے۔(اقامۃ الدلیل)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے۔(فتح الباری شرح صحیح البخاری)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے بنے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے بنے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، سب دوزخ میں جائیں گے، ایک جنت میں جائے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنتی وہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر ہوگا۔(مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے راستے کے برخلاف چلنے والوں کے خلاف سخت وعید ارشاد فرمائی ہے "جو شخص سیدھا راستہ پتا چل جانے کے بعد نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرے اور صحابہ کرام کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے تو وہ جدھر کو چلنا چاہے چلتا جائے، ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے اور جہنم بہت بری جگہ ہے"(سورۃ النساء ۱۱۵)

سورۃ البقرہ میں اللہ نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کی طرح ایمان لاؤ، اس کے جواب میں منافقین نے کہا تھا کہ صحابہؓ تو بے وقوف لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے صحابہ کرام کا دفاع کرتے ہوئے ان منافقین کو بے وقوف قرار دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ کے ایمان کی طرح ہو جن چیزوں میں جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے اسی طرح کا ایمان

دوسروں کا ہوگا تو ایمان تسلیم کیا جائے گا، ورنہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان ایک کسوٹی ہے، جس پر باقی ساری امت کے ایمان کو پرکھا جائے گا، جو اس کسوٹی پر صحیح نہ ہو اس کو شرعاً ایمان اور ایسا کرنے والے کو مومن نہیں کہا جائے گا اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کے نزدیک ایمان معتبر نہیں۔

## ورق تمام ہوا مدح باقی ہے

اف اللہ! قلم آبلہ پا ہے ابھی مدح باقی ہے، ورق تمام ہوا ابھی مدح باقی ہے، ماہنامہ آب حیات کے صفحات پر جگہ نہیں بچی تو میں نے اس مضمون کو ماہ نامہ صدائے جمعیت میں مکمل کرنا چاہا، مگر صدائے جمعیت میں بھی مضمون مکمل نہ ہو سکا، ابھی صحابہ کرام کی مدح قرآنی بھی باقی ہے، ابھی صحابہ کرامؓ کی مدح بزبان رسالت مآب بھی باقی ہے، ابھی تاریخ اسلامی کے اجلے، سنہرے اور روشن صفحات پر پھیلے بزرگان دین اور مؤرخین کے ارشادات بھی باقی ہیں۔ گزشتہ ماہ اپنی زیر ادارت شائع ہونے والے دونوں رسالوں (آب حیات، صدائے جمعیت) میں ان "شان صحابہ کرامؓ" پر مضمون پیش کیا گیا، مکمل نہ ہو سکا، پھر اس مہینے کے رسالوں میں بھی اسے "فضائل صحابہ کرامؓ" کے عنوان سے پیش کیا مگر مواد اور مضمون کے بیشتر حصے ابھی باقی ہیں، زندگی رہی تو پھر سہی، اللہ قبول فرمائے۔ آمین

**(خادم اسلام) مَحمُودُالرَّشِید عَبَاسِی حَدَوِٹی**

(حال وارد حدوٹ مری)

۱۸ جولائی ۲۰۱۹ھ بروز جمعرات، شام ساڑھے پانچ بجے